سُلطان محمد فاتحؒ
سید زید زمان حامد

سُلطان
محمد
فاتحؒ
سید زید زمان حامد
www.urdunovels.net

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام تصنیف : یہ غازی (سلطان محمد فاتحؒ)

مصنف : سید زید زمان حامد

ناشر : براس ٹیکس، راولپنڈی

تقلیب حروف : براس ٹیکس ٹیم

مجلس ادارت : شہزاد مسعود رومی، سمیع اللہ بخاری، سفیان مسعود، سیدہ قدسیہ مشہدی، فاطمہ حسین، رملہ کلیم

کتابت و آرائش : وقار احمد صدیقی

تاریخ اشاعت : مارچ ۲۰۱۵ء

قیمت : ۴۰۰ روپے

BrassTacks
Advanced Threat Analysis
Defence and Security Advisors

راولپنڈی، پاکستان

فون: 7-5598046-51-92+

ویب سائٹ: www.zaidhamid.pk

ای میل: syedzaidzamanhamid@gmail.com

سیدی و مرشدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی خدمت اقدس میں

ہدیہ عشق و ادب

پیش لفظ

’’بے شک قسطنطنیہ لازماً فتح ہو جائے گا۔ کیا ہی شاندار وہ امیر ہوگا اور کیا ہی شاندار وہ فوج ہوگی کہ جو اس کو فتح کرے گی۔‘‘

تاریخ اسلام میں مسلمان حکمرانوں نے کسی اور شہر یا خطہ زمین کو فتح کرنے کیلئے اتنے وسائل خرچ نہیں کیے کہ جتنے قسطنطنیہ کی مہم کیلئے۔ اس کی وجہ اس شہر کی جغرافیائی اہمیت یا اس میں موجود مال دولت نہیں، بلکہ وہ سعادت تھی کہ جس کی بشارت حضور ﷺ نے اپنی ایک خوبصورت حدیث مبارکہ میں دی تھی۔ حضرت عثمانؓ کے دور سے ہی مسلمان فوجیں حضور ﷺ کی اس حدیث شریف میں بیان کی گئی سعادت کو حاصل کرنے کیلئے اگلے نو سو سال تک پے در پے اس حیرت انگیز رومانوی شہر پر حملے کرتی رہیں۔ مسلمانوں کو اس بات کا علم تو تھا کہ اس شہر نے لازماً فتح ہو جانا ہے، مگر یہ سعادت کس کے نصیب میں آتی ہے، اس کا فیصلہ تاریخ نے ہی کرنا تھا۔ بالآخر ۱۴۵۳ء میں یہ سعادت سلطان محمد فاتحؒ کے نصیب میں آئی۔

اس حیرت انگیز امر سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ مسلمان ہمیشہ اپنی جنگی حکمت عملی بناتے وقت حضور ﷺ کی بشارتوں کو بھی پیش نظر رکھتے تھے۔ حضور ﷺ نے ہجرت کے موقع پر ہی حضرت سراقہؓ کو خوشخبری دے دی تھی کہ وہ کسریٰ کے کنگن اپنے ہاتھوں میں پہنیں گے، یعنی ان کی زندگی میں ہی مسلمان فوجیں فارسی سلطنت کو شکست دے دیں گی۔ خلفائے راشدین کے دور میں مسلمانوں نے جب فارس کے خلاف جنگی مہم کا آغاز کیا تو ان سب کو حق الیقین کے درجے پر علم تھا کہ فتح مسلمانوں کی ہوگی، کیونکہ ان کے پیش نظر حضور ﷺ کی بشارت اور خوشخبری تھی۔

فتح قسطنطنیہ کی طرح حضور ﷺ نے آخری دور میں غزوۂ ہند کی بشارت بھی فرمائی ہے۔ یعنی ایک مسلمان فوج ایک مرتبہ پھر ہندوستان پر قبضہ کرے گی اور اس کے حکمرانوں کو زنجیروں میں لپیٹ کر لائے گی۔ آج کی جغرافیائی اور سیاسی صورتحال کے تناظر میں یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ حضور ﷺ کی یہ خوشخبری اور بشارت صرف پاک فوج کیلئے ہے کہ جو گزشتہ تقریباً اٹھاسٹھ برس سے ہی بھارت کے مشرکوں کے ساتھ مسلسل حالت جنگ میں ہے، اور اب یہ بات بھی پورے یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ بھارت کے ساتھ ایک فیصلہ کن جنگ کبھی بھی شروع ہو سکتی ہے۔

فتح قسطنطنیہ میں یہ حیرت انگیز راز چھپا ہوا ہے کہ حضور ﷺ کی احادیث مبارکہ ایسا روحانی راز ہوتی ہیں کہ جن کی بنیاد پر مسلمان سلطنت اپنی جنگ حکمت عملی ترتیب دے سکتی ہے۔ یہ پاکستان کے حکمرانوں اور سپہ سالاروں کیلئے انتہائی خوش نصیبی کی بات ہوگی کہ وہ حضور ﷺ کی غزوۂ ہند کی بشارتوں پر یقین اور ایمان لاتے ہوئے ہندوستان کے ساتھ ایک فیصلہ کن معرکے کی تیاری کریں اور پاک فوج کی تربیت اس نہج پر کریں کہ وہ اپنے آپ کو غزوۂ ہند کے مجاہد سمجھیں۔

عملوں کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ بھارت سے ہم حالت جنگ میں تو ہیں ہی، اور فیصلہ کن جنگ بھی نزدیک ہی نظر آتی ہے، صرف اگر نیت غزوۂ ہند کی کرلیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ روحانی تائید بھی حاصل ہوگی کہ جو غزوۂ ہند کے مجاہدین کیلئے مخصوص ہے۔

اللہ پاکستان کا حامی و ناصر ہو۔ پاک فوج ہی وہ بشارت یافتہ فوج ہے کہ جس سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے غزوۂ ہند کی بشارت کی تکمیل کروانی ہے، ان شاء اللہ۔ پاکستانی قوم خوش نصیب ترین ہوگی کہ اگر حضور ﷺ کی بشارت پر آمنّا وصدقنا کہہ کر ایمان لائے۔

براس ٹیکس

قال النبي عليه السلام
لتفتحن القسطنطينية
فلنعم الأمير أميرها
ولنعم الجيش ذلك الجيش
١١٠٩

سلطان محمد فاتحؒ

''قسطنطنیہ لازماً فتح ہو جائے گا، اور کیا خوب وہ سلطان ہوگا اور کیا خوب وہ فوج ہوگی!''

تیرہویں صدی کے وسط تک منگول تقریباً پوری مسلم دنیا کو تباہ کر چکے تھے۔ بغداد سمیت مسلمان تہذیب کے تمام بڑے بڑے شہر کہ جو ایشیاء وسطی سے لے کر خراسان اور اناطولیہ تک پھیلے ہوئے تھے، منگولوں کے پاؤں تلے روندے جا چکے تھے۔ اس وقت کسی کو بھی یہ اندازہ نہیں تھا کہ منگول حملوں کے باعث اپنی آخری سانسیں لیتی ہوئی مسلم تہذیب تھوڑے ہی عرصے میں پوری قوت کے ساتھ دوبارہ اٹھ کھڑی ہوگی اور ایسی شاندار سلطنت بن کر ابھرے گی کہ جس کا جاہ وجلال آنے والی صدیوں تک قائم رہے گا۔

اُس زمانے میں سلجوق حکمران موجودہ ترکی میں اپنی چھوٹی سی ریاست کو بڑی مشکل سے قائم رکھے ہوئے تھے۔ اناطولیہ کے مشرقی جانب ایشیاء میں بازنطینیوں کے کچھ قلعے ابھی تک موجود تھے اور یورپ میں قسطنطنیہ کے عظیم الشان شہر پر ان کا قبضہ بدستور برقرار تھا۔ ایشیاء وسطی اور ماوراء النہر کے علاقوں میں بہت بڑی تعداد میں منگول مسلمان ہونا شروع ہو چکے تھے، لیکن اس کے باوجود ان میں موجود بہت سارے فتنہ پرست گروہ، مسلم دنیا کے لیے مسائل کھڑے کر رہے تھے۔ اسلام قبول کرنے کے باوجود بھی ابھی تک یہ انتہائی وحشی قوم تھی کہ جس کا تہذیب وتمدن سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔

اسی اثناء میں ایک غیر معمولی واقعہ رونما ہوا کہ جس نے نہ صرف اسلامی دنیا کی بلکہ پوری انسانی تاریخ ہی تبدیل کر کے رکھ دی۔ ایشیاء

وسطی سے ایک چھوٹا سا گمنام ترک قبیلہ آپس کی جنگوں میں شکست کھا کر نکلا اور منگولوں کے خوف سے در بدر ہو کر خراسان اور ایران کے علاقوں میں پناہ تلاش کرنے لگا۔ آخر کار یہ ترک قبیلہ پناہ کی خاطر علاؤالدین سلجوقی کے علاقے میں داخل ہو گیا۔ منگولوں کے خوف سے اپنی جان بچا کر بھاگنے والا یہ چھوٹا سا ترک قبیلہ جب سلجوق علاقے میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ ایک بہت بڑی فوج نے ایک چھوٹی سی فوج کو اپنے نرغے میں لیا ہوا ہے۔ قریب تھا کہ یہ چھوٹی سی فوج مکمل طور پر ختم ہو جاتی۔ اپنی قبائلی غیرت اور حمیت سے بے چین ہو کر اس ترک قبیلے نے فیصلہ کیا کہ اس چھوٹی فوج کا ساتھ دیا جائے۔ نتائج سے بے پرواہ ہو کر یہ ترک قبیلہ اس بڑی فوج پر حملہ آور ہو گیا، اور اس غیر متوقع مدد کی وجہ سے وہ چھوٹی سی فوج نہ صرف یہ کہ مکمل تباہی سے بچ گئی، بلکہ بالآخر فتح سے بھی ہمکنار ہوئی۔ مخالف فوج میں سے کچھ لوگ مار دیے گئے اور کچھ نے فرار کا راستہ اختیار کیا۔

جنگ ختم ہونے کے بعد اس ترک قبیلے کو معلوم ہوا کہ جس فوج کی مدد انہوں نے کی ہے، وہ دراصل سلجوق فوج ہے اور اس کی کمان خود سلجوق سلطان علاؤالدین سلجوقی کر رہے تھے اور ان کے مخالف منگول فوج کا ایک لشکر صف آراء تھا۔ خود سلطان علاؤالدین سلجوقی کا اس ترک قبیلے سے یہ پہلا تعارف تھا۔ علاؤالدین سلجوقی اس غیر متوقع مدد کی وجہ سے اس ترک قبیلے کے اس قدر مشکور اور احسان مند ہوئے کہ اس قبیلے کو اپنے علاقے میں لے آئے، اور ایک بہت بڑا صوبہ ان کے حوالے کر کے ان کو اسکا حکمران بنا دیا۔ قدرت کی طرف سے اس قبیلے کو کہ جو وسطی ایشیاء سے جان بچا کر در بدر پھر رہا تھا، غیر معمولی تائید ملی۔ نہ صرف یہ کہ اب یہ ترک قبیلہ سلجوقی سلطان کی پناہ میں تھا بلکہ اس کے پاس اپنا ایک آزاد صوبہ بھی تھا۔ اپنی حکومت قائم کرنے کے بعد روز بروز یہ قبیلہ مضبوط سے مضبوط تر ہی ہوتا گیا۔ سلطان علاؤالدین سلجوق کے انتقال کے بعد ان کی پوری سلطنت اب اس قبیلے کے پاس آ گئی اور بعد میں اسکے ایک فرد، عثمان خان نے جو سلطنت قائم کی وہ آئندہ چھ سو برس تک امت مسلمہ کی آبرو کا دفاع کرتی رہی اور جس کا رعب اور دبدبہ پوری دنیا میں اپنی آب و تاب کے ساتھ قائم رہا۔ عثمان خان کی قائم کردہ یہ سلطنت تاریخ میں پہلے ''سلطنت عثمانیہ'' اور بعد میں ''خلافت عثمانیہ'' کے نام سے پہچانی جاتی ہے۔

عثمان خان

فطرتاً ترک ایک لڑاکا اور جنگجو قوم ہے۔ بہادری اور دلیری اس کی فطرت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انہی خصوصیات کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے اپنی لامحدود حکمت کے تحت اس قوم کا انتخاب کیا اور اس کو کفر اور گمراہی کے اندھیروں سے نکال کر ایمان کی دولت بخشی۔ایک ایسے وقت میں کہ جب دیگر تمام مسلمان قومیں تنزل اور زوال کا شکار تھیں اور مسلمان ملت کو نئے دلیر اور جانباز خون کی ضرورت تھی۔ایسے میں یہ ایک تاریخ کا معجزہ ہی ہے کہ وہ منگول کہ جو دو نسل پہلے پوری مسلم دنیا میں عذاب الٰہی بن کر تباہی مچا رہے تھے، وہ مسلمان ہو کر امت کی سب سے مضبوط چٹان بن کر ابھرے۔قدرت کے اسی معجزے پر اقبالؒ کا وہ معرکۃ الآرا شعر ہے:

پہلی جنگ عظیم کے دوران ہندوستان کے مسلمان ڈاکٹروں کا وفد کہ جو خلافت عثمانیہ کی جنگ میں مدد کیلئے ترکی پہنچا۔
آج بھی اس بات کی وجہ سے ترک مسلمان پاکستان کے مسلمانوں کی انتہائی عزت وقدر کرتے ہیں۔

ہے عیاں یورشِ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

تقریباً ۱۳۰۰ء میں قائم ہونے والی آل عثمان کی یہ حکومت بیسویں صدی میں ۱۹۲۳ء تک امت مسلمہ کی عزت وآبرو کی حفاظت کرتی رہی۔ اپنے عروج کے وقت یہ خلافت تین براعظموں پر پھیلی ہوئی تھی۔ ایک طرف اسکی سرحد چین سے ملتی تھی، تو دوسری جانب خراسان، وسطی ایشیاء، عراق، شام، مغربی افریقہ اور یورپ کے علاقے بھی خلافت عثمانیہ کے زیر تسلط تھے۔ تقریباً سولہویں صدی عیسوی میں تو خلافت بھی بغداد کے عباسی حکمرانوں کے ہاتھ سے نکل کر انہی ترک آل عثمان کے پاس منتقل ہو چکی تھی۔ اس کے بعد مذہبی طور پر بھی خلافت عثمانیہ امت مسلمہ کی قیادت اور نمائندگی کی ذمہ داری ادا کرتی رہی۔ اس وقت موجود پوری دنیا میں مسلمان سلاطین، حکمران اور گورنر تب تک اپنی حکمرانی کو قانونی اور دینی جواز نہ دے سکتے تھے کہ جب تک عثمانی خلیفہ کی جانب سے ان کو تائید اور حمایت حاصل نہ ہوتی۔ آج بھی خانہ کعبہ کے اطراف میں مسجد الحرام کی تعمیر انہی عثمانی خلفاء کی کروائی ہوئی ہے۔ آج بھی مدینے میں جو مسجد نبوی ہے اور جو منبر شریف نصب ہے وہ بھی دور عثمانی کا ہی ہے۔ چھ سو سال تک یہ حکومت اور خلافت مسلمانوں کے جاہ وجلال کی نمائندہ تھی اور مسلمانوں کی تاریخ کی سب سے بڑی سلطنت۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد، ۱۹۱۸ء کے آس پاس، جب مغربی طاقتوں نے جنگ میں شکست خوردہ خلافت عثمانیہ کے حصے بخرے کرنا

خلافت عثمانیہ کے اپنے عروج کے دور میں تین براعظموں پر پھیلی ہوئی تھی

شروع کیے تو اس پر ہندوستان کے مسلمانوں نے زبردست تحریک چلائی کہ جسے ''تحریک خلافت'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔اسی دور میں علامہ اقبالؒ نے بھی اپنی انتہائی جذباتی اور رومانوی شاعری سے پورے ہندوستان میں آگ سی لگا دی تھی اور یہاں سے مسلمانوں کے بہت سے گروہ ترک مسلمانوں کی حمایت اور امداد کیلئے ترکی پہنچنا شروع ہو گئے تھے۔علامہ اقبالؒ کی مشہور نظم ''فاطمہ بنت عبداللہ'' کہ جس میں ایک بارہ سالہ عرب بچی جنگ طرابلس میں ترک مجاہدین کو پانی پلاتے ہوئے شہید ہوتی ہے،اسی دور کی لکھی ہوئی ہے۔

فاطمہ! تو آبروئے امتِ مرحوم ہے

ذرہ ذرہ تیری مشتِ خاک کا معصوم ہے

....

قَالَ النَّبِیُّ عَلَیْہِ السَّلَام لَتُفْتَحَنَّ الْقُسْطَنْطِینِیَّۃُ فَلَنِعْمَ الْاَمِیْرُ اَمِیْرُھَا وَلَنِعْمَ الْجَیْشُ ذٰلِکَ الْجَیْشُ

حضورﷺ کے دور سے ہی مسلمانوں کا تصادم قسطنطنیہ کی بازنطینی سلطنت کے ساتھ شروع ہو چکا تھا۔غزوۂ تبوک بھی انہی عیسائیوں کے خلاف تھا کہ جن کی تائید اور حمایت قسطنطنیہ کی بازنطینی سلطنت کر رہی تھی۔حضورﷺ نے پردہ فرمانے سے قبل ہی حضرت اسامہ بن زیدؓ کا جو لشکر روانہ کرنے کا حکم فرمایا تھا،وہ بھی بازنطینی رومیوں ہی کے خلاف تھا۔بعد میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور میں ہی مسلمان فوجیں باقاعدہ طور پر شام میں داخل ہو گئی تھیں کہ جن کی قیادت حضرت خالد ابن ولیدؓ فرما رہے تھے۔یہ تصادم بھی انہی رومیوں کے خلاف تھا کہ جن کا مرکز قسطنطنیہ تھا۔حضرت عمرؓ کے دور میں مسلمانوں نے شام کا پورا صوبہ بازنطینی سلطنت سے چھین کر خلافت اسلامیہ میں شامل کر لیا تھا۔حضرت عثمانؓ کے دور میں مسلمانوں نے پہلی مرتبہ بحری بیڑا بنانا شروع کیا،اور اس کا ہدف بھی قسطنطنیہ کا شہر تھا۔۳۴ ہجری میں حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد،دو سو بحری جہازوں پر مشتمل مسلمان بحری بیڑے نے پہلی مرتبہ بازنطینی بحری بیڑے سے سمندر میں مقابلہ کیا کہ جس میں تقریباً سات سو بحری جہاز تھے۔قسطنطنیہ کو فتح کرنے کیلئے اس پہلے بحری تصادم میں مسلمان

قدیم بازنطینی قسطنطنیہ کہ جو صدیوں سے عیسائیت کے سر کا تاج تھا اور حضور ﷺ نے اس مسلمان حکمران کو جنت کی بشارت دی تھی کہ جو اس کو پہلی دفعہ فتح کرے گا۔
ایک اور حدیث شریف میں حضور ﷺ نے یہ بھی واضح فرمادیا تھا کہ روم اور قسطنطنیہ میں سے مسلمان قسطنطنیہ کو فتح کرلیں گے۔
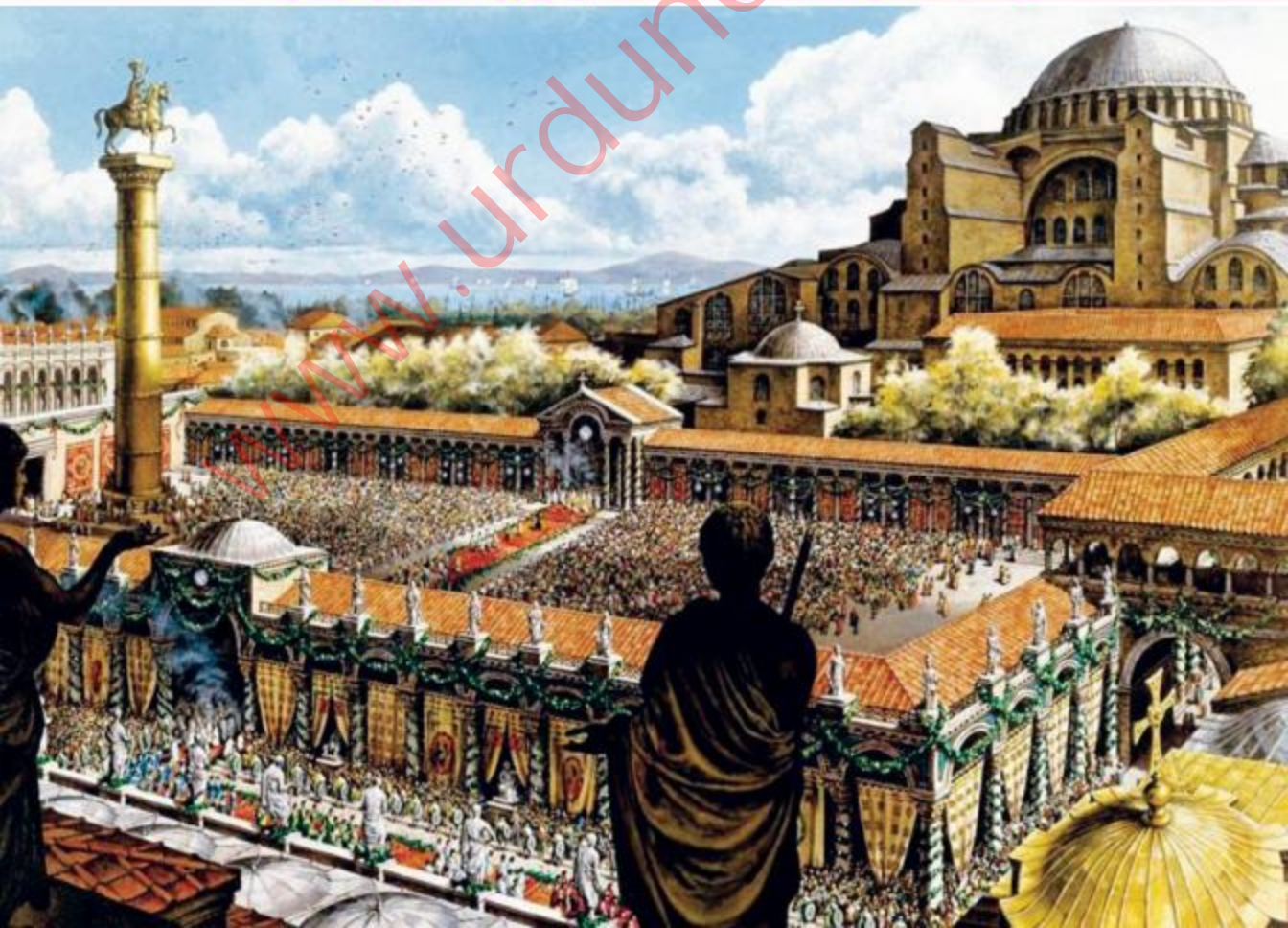
بحریہ نے عیسائی بحری بیڑے کو مکمل طور پر تباہ کر دیا تھا۔ قسطنطنیہ کو فتح کرنے کی یہ پہلی باقاعدہ جنگی مہم تھی۔ اس کے بعد حضرت معاویہؓ نے قسطنطنیہ کی جانب پے در پے جنگی مہمات روانہ کیں۔ حضور ﷺ کے سینکڑوں صحابہؓ ان جنگی مہمات میں شریک ہو کر قسطنطنیہ کے قلعے تک پہنچے۔ مدینے میں حضور ﷺ کے میزبان حضرت ابوایوب انصاریؓ بھی انہی جنگی مہمات میں شامل تھے اور آپؓ کا انتقال اسی مہم کے دوران ہی ہوا تھا۔ آج بھی آپؓ کا مزار تقریباً بیس دیگر صحابہ کرامؓ کے ساتھ قسطنطنیہ (موجودہ استنبول) کے شہر میں واقع ہے۔

حضرت معاویہؓ کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بھی تقریباً ۹۸ ہجری میں اٹھارہ سو بحری جہازوں کے ساتھ قسطنطنیہ پر حملہ کیا تھا، مگر ناسازگار موسمی حالات کی وجہ سے مسلمان قلعے کا محاصرہ جاری نہ رکھ سکے۔ دور اموی کے بعد عباسی خلافت میں بھی اس شہر کو فتح کرنے کیلئے کئی جنگی مہمات بھیجی گئیں۔ مگر یہ شہر ناقابل تسخیر ہی رہا۔

اس شہر سے مسلمانوں کی جذباتی اور روحانوی وابستگی کی وجہ سیدی رسول اللہ ﷺ کی وہ حدیث مبارک تھی کہ جس میں آپ ﷺ نے یہ خوشخبری عطا فرمائی تھی کہ قسطنطنیہ کا شہر لازماً فتح ہو جائے گا، اور جو سپہ سالار اس کو فتح کرے گا وہ جنتی ہوگا، اور جو فوج اس کے ساتھ ہوگی وہ بھی جنتی ہوگی! اسی حدیث شریف کو پورا کرنے کی سعادت حاصل کرنے کیلئے حضرت عثمانؓ کے دور سے لیکر اگلے نو سو سال تک مسلمان فوجیں اور حکمران قسطنطنیہ کے شہر پر مسلسل حملے کرتے رہے۔ کہا یہ جاتا ہے کہ اس شہر پر قبضہ کرنے کیلئے مسلمانوں نے نو سو سال میں اتنے وسائل خرچ کیے کہ اگر وہ وسائل یورپ کی طرف موڑ دیئے جاتے تو پورا یورپ فتح کیا جا سکتا تھا۔ مگر مسلمانوں کے سامنے صرف یہی دھن رہی کہ حضور ﷺ کی حدیث شریف کی بشارت کے مطابق وہ اس شہر کو فتح کرنے کی سعادت حاصل کر سکیں۔ تزویراتی نقطۂ نظر سے بھی قسطنطنیہ تاریخ انسانیت کے اہم ترین شہروں میں سے ایک ہے۔ ایشیاء اور یورپ کے سنگم پر واقع یہ مضبوط قلعہ نہ صرف دنیا کے اہم تجارتی راستوں کو کنٹرول کرتا ہے، بلکہ نو سو سال تک مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان سرحد کا کام بھی انجام دیتا رہا۔ جب تک عیسائی بازنطینی سلطنت اس شہر پر قابض رہی، مشرق میں واقع مسلمان ریاستیں ہمیشہ خطرے میں ہی رہیں۔ حتیٰ کہ گیارہویں صدی عیسوی میں شروع ہونے والی صلیبی جنگوں کا آغاز بھی بازنطینی سلطنت کے دارالحکومت قسطنطنیہ سے ہی ہوتا ہے۔

سلجوق سلطنت کے بعد ایشیائے کوچک (موجودہ ایشیائی ترکی) میں عثمانی سلطنت کے قیام سے، تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں پر قسطنطنیہ کے راستے حملوں کا سلسلہ بند ہوا۔ اسکے بعد بازنطینی کبھی بھی اس راستے سے مسلمان علاقوں پر حملہ نہ کر سکے، بلکہ اس کے برعکس اب عثمانی ترک مسلمان انکے علاقوں میں پیش قدمی کر رہے تھے۔ اب ترک مسلمانوں کا ہدف قسطنطنیہ تھا۔ مگر اس سے پہلے اس کے اطراف میں واقع مشرقی یورپ اور بلقان کے علاقوں پر قبضہ ضروری تھا۔ اس وقت تک آل عثمان نے بازنطینی سلطنت کے تمام مشرقی صوبے اور ایشیائے کوچک کی طرف واقع تمام قلعے فتح کر لیے تھے۔

قسطنطنیہ کی فتح کیلئے حضرت عثمانؓ کے دور سے ہی صحابہ کرامؓ نے تیاری شروع کردی تھی۔ ایک بہت بڑی تعداد میں صحابہ کرامؓ قسطنطنیہ کی مہم کے دوران شہید ہوئے۔ آج بھی موجودہ استنبول میں بیس سے زائد اصحاب رسول ﷺ کے مزارات ہیں کہ جو قلعہ کی دیوار کے آس پاس واقع ہیں۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ، حضرت حمید اللہ انصاریؓ اور حضرت ابواحمد انصاریؓ جیسے اصحاب بھی یہیں آرام فرما رہے ہیں۔

۱۳۴۷ء میں ایک غیر معمولی تاریخی واقعے کے نتیجے میں مشرقی یورپ میں مسلمانوں کا پہلا قلعہ قائم ہوا۔ یہ وہ وقت تھا کہ جب مغرب میں مسلمان اسپین سے نکالے جا رہے تھے۔ اندلس میں سات سو سال حکومت کرنے کے بعد مسلمان ریاستیں کمزور ہو چکی تھیں اور عیسائی آہستہ آہستہ مسلمانوں کو آئبیرین جزیرہ نما سے واپس افریقہ کی طرف دھکیلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ مسلمانوں کی آخری ریاست غرناطہ تھی، لیکن اس پر بھی بہت زیادہ دباؤ تھا۔ اس زمانے میں یورپ کی تمام تر توجہ مسلمانوں کو اسپین سے نکالنے پر مرکوز تھی۔ پوپ اور یورپی بادشاہ مشرق میں واقع مسلم سلطنتوں کے بجائے مغربی یورپ یعنی اندلسیہ میں موجود مسلمان ریاستوں کو تباہ کرنا چاہتے تھے۔ قدرت کا یہ عجیب کھیل تھا کہ ایک طرف تو مشرق میں مسلمانوں کو یورپ میں داخلے کا راستہ دیا جا رہا تھا، تو دوسری جانب مغرب میں انہیں یورپ سے نکالا بھی جا رہا تھا۔

اِس وقت کا استنبول یا اُس وقت کا قسطنطنیہ یورپ میں واقع ہے۔ بیچ میں سمندر تھا اور مشرق کی جانب ایشیاء میں آلِ عثمان کی حکومت۔ عثمانیوں نے اس وقت یہ حکمت عملی بنائی کہ قسطنطنیہ کے قلعے کو چھوڑ کر اسکے پیچھے سے بلقان اور مشرقی یورپ کے تمام علاقوں کو فتح کر لیا جائے، تاکہ قسطنطنیہ کے قلعے کی پشت پر مسلمان ریاست قائم ہو سکے اور اس طرح قسطنطنیہ کو چاروں طرف سے گھیر کر آخر میں اس پر فیصلہ کن حملہ کیا جائے۔ حضرت عثمانؓ کے وقت سے لیکر عثمانی ترکوں کے آغاز تک، ہر مسلمان حکمران کا ہدف یہی شہر تھا اور سبھی اس کو فتح کرنے کی شدید خواہش رکھتے تھے۔ ان کی تمام تر حکمت عملی کا مرکز حضور ﷺ کی حدیث مبارک ہی تھی۔

چودھویں صدی تک خود بازنطینی سلطنت میں بھی حالات ایسے پیدا ہو چکے تھے کہ اب عثمانی ترک یہ محسوس کر رہے تھے کہ وقت فتح قسطنطنیہ کیلئے انتہائی موزوں ہے۔ ترک ایک ابھرتی ہوئی طاقت تھی جبکہ ان کے مقابلے میں بازنطینی سلطنت زوال پذیر ہو کر شدید ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھی۔ عظیم بازنطینی سلطنت کہ جو ایک ہزار سال سے مشرق میں عیسائیت کی نمائندگی کر رہی تھی، اب اس قدر زبوں حالی کا شکار تھی کہ اسکے تمام وہ صوبے، کہ جو مشرقی یورپ اور بلقان کے علاقوں میں تھے، بکھر کر اپنی آزادی کا اعلان کر رہے تھے۔ سربیا، مونٹینگرو، بلغاریہ اور بوسنیا جیسے علاقوں میں چھوٹی چھوٹی آزاد عیسائی ریاستیں قائم ہو چکی تھیں کہ جو باہم دست و گریباں بھی تھیں۔ اسی طرح بازنطینی کلیساء اور رومی کلیساء کے آپس میں سخت فرقہ وارانہ اختلافات بھی تھے اور آپس میں انکی جھڑپیں اور جنگیں بھی جاری رہتی تھیں۔ چونکہ مغربی یورپ کے تمام ممالک رومی پوپ کے تحت تھے، اس لیے ان کی ساری توجہ قسطنطنیہ کو بچانے کے بجائے اسپین سے مسلمانوں کو نکالنے پر مرکوز تھی۔ ان حالات میں قدرت مسلمانوں کو موقع دے رہی تھی کہ وہ اپنے اس عظیم الشان ہدف کی جانب مضبوطی سے پیش قدمی کریں۔

چودھویں صدی عیسوی کے آخر میں مسلمانوں نے ترک عثمانی سلطان مراد کی قیادت میں البانیہ پر یلغار کی۔ البانیہ کی جنگ کے دوران سرب فوج کے ساتھ مقابلے میں سلطان مراد شہید ہو گئے۔ اس کے نتیجے میں عین میدان جنگ میں انکے بیٹے بایزید تخت نشین

آل عثمان کے ترک سلاطین۔ سولہویں صدی میں خلافت بھی عباسی خاندان سے منتقل ہو کر عثمانیوں کے پاس آ گئی تھی اور پھر ۱۹۲۳ء تک قائم رہی۔

ہوئے۔ بایزید اس قدر صاحب جلال اور قوت والے غیرت مند حکمران تھے کہ ان کو ان کی قوم نے ''یلدرم'' کا خطاب دیا۔ یلدرم ترکی زبان میں بجلی کی کڑک کو کہتے ہیں۔ انکا یورپ اور قسطنطنیہ کو فتح کرنے کا مستحکم ارادہ تھا۔ ۱۳۹۷ء تک بایزید یلدرم نے اس قدر طاقت حاصل کر لی کہ مسلمانوں نے قسطنطنیہ کا مکمل محاصرہ کر لیا تھا۔ قریب تھا کہ قسطنطنیہ فتح کر لیا جاتا۔ وہاں کا عیسائی بادشاہ اس بات پر راضی ہو گیا تھا کہ آئندہ قسطنطنیہ پر وہی بادشاہ حکومت کرے گا کہ جس کو بایزید یلدرم خود نامزد کریں گے۔ پوری عیسائی دنیا کیلئے یہ انتہائی ذلت آمیز شرط تھی، مگر بازنطینی سلطنت اس قدر کمزور ہو چکی تھی کہ وہ ان شرائط کو بھی قبول کرنے پر آمادہ تھی، تاکہ اسے اپنی زندگی کے چند لمحے مزید عطا کر دیئے جائیں۔

عین اس وقت کہ جب سلطان بایزید یلدرم یورپ فتح کرنے میں مصروف تھے اور قریب تھے کہ قسطنطنیہ بھی فتح کر لیں تو قدرت کی طرف سے ایک رکاوٹ آ گئی۔ وسطی ایشیاء سے ایک منگول حکمران اٹھا کہ جو ظاہراً تو مسلمان تھا، مگر اسلامی اخلاقیات اور شرافت سے ابھی عاری تھا۔ دنیا اسے ''تیمور لنگ'' کے نام سے جانتی ہے۔ تیمور لنگ وسطی ایشیاء سے نکل کر اپنی حکومت وسیع کرنا چاہتا تھا۔ کہنے کو تو وہ مسلمان تھا لیکن اسکی تلوار سے سب سے زیادہ نقصان خود امت مسلمہ کو ہی پہنچا۔ ۱۳۹۸ء میں تیمور لنگ ماوراء النہر سے افغانستان میں داخل ہوا اور خیبر کے راستے دہلی تک جا پہنچا اور دہلی کو لوٹ کر واپس چلا گیا۔ اگلے سال اس نے خراسان، بغداد اور دمشق کا راستہ اختیار کیا اور راستے میں واقع تمام مسلمان شہروں کو تباہ و برباد کرتا ہوا دوبارہ اپنے مرکز ماوراء النہر چلا گیا۔

۱۴۰۲ء میں کہ جب سلطان بایزید یلدرم قسطنطنیہ کو فتح کرنے جا رہے تھے، تو تیمور نے وسطی ایشیاء سے نکل کر اس مرتبہ اناطولیہ میں آل عثمان کی حکومت پر حملہ کر دیا۔ مورخ لکھتے ہیں کہ قسطنطنیہ کے بادشاہ نے تیمور کو اس حملے کی دعوت دی تھی تاکہ بایزید قسطنطنیہ فتح نہ کر سکے۔ بایزید یلدرم نے مجبوراً یورپ سے اپنا حصار اٹھایا اور بہت قلیل فوج کے ساتھ تیمور لنگ سے مقابلے کے لیے واپس ایشیاء کی جانب نکل پڑے۔ سلطان یلدرم کے پاس صرف ایک لاکھ فوج تھی اور انکے مقابلے میں تیمور پانچ لاکھ فوج کے ساتھ عثمانی علاقوں میں داخل ہو چکا تھا۔ تیمور کی اس حرکت کی وجہ سے کم از کم اس وقت یورپ نے سکھ کا سانس لیا۔

قدیم انگورہ اور موجودہ انقرہ کے مقام پر ۱۴۰۲ء میں دونوں فوجوں کا تصادم ہوا۔ بایزید کے مغل دستوں کی بے وفائی، سرب اور فرانسیسی سرداروں کی کمزوری اور عثمانی قلب پر ہاتھیوں کے ساتھ تیمور کے حملے کی وجہ سے یلدرم کی فوج تباہ ہو گئی۔ سلطان یلدرم کا بیٹا مصطفیٰ میدان جنگ میں مارا گیا اور خود سلطان یلدرم تیمور کا قیدی بن گیا۔ تیمور نے سلطان یلدرم کے ساتھ بے رحمانہ سلوک کیا۔ سلطان یلدرم کو ایک پنجرے میں بند کر دیا گیا اور تیمور انہیں اپنی فوج کے ساتھ گھماتا رہا۔ اسی پنجرے میں سلطان یلدرم کا آٹھ مہینے بعد انتقال ہو گیا۔

سلطان یلدرم کے گرفتار ہونے اور جیل میں انتقال کے بعد تصور یہ کیا جا رہا تھا کہ آل عثمان کی حکومت ختم ہو گئی ہے، لیکن معجزانہ طور پر

سلطان بایزید یلدرم، تیمور لنگ کی قید میں۔
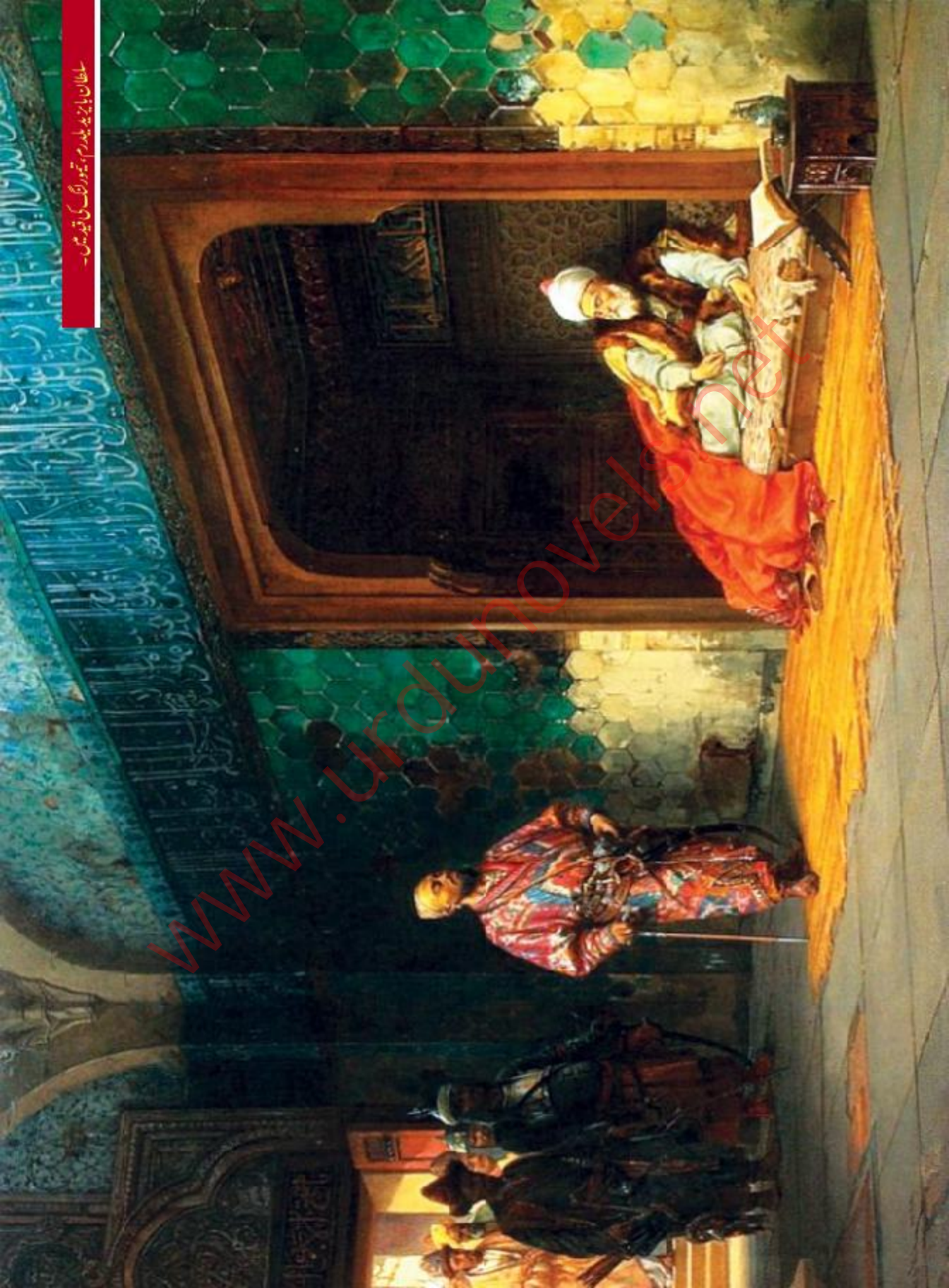
دس سے بارہ سال کے انتشار کے بعد ایک ترک سلطان دوبارہ تخت پر بیٹھے اور آل عثمان دوبارہ یکجا ہوگئی۔ تقریباً ۱۴۱۳ء کے آس پاس سلطان محمد اول، کہ جو سلطان بایزید یلدرم کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا، نے اقتدار اپنے ہاتھ لے کر عثمانی سلطنت کو ایک مرتبہ پھر مستحکم کر دیا۔ ۱۴۵۱ء میں بالآخر آل عثمان میں سے ایک شخص تخت پر بیٹھے کہ جنکا نام سلطان محمد ثانیؒ تھا۔ بعد میں تاریخ نے ان کو "سلطان فاتح" کے نام سے یاد کیا۔ تخت نشینی کے وقت سلطان کی عمر صرف تیئس برس تھی۔

....

سلطان محمد فاتحؒ کے تخت نشین ہونے تک سلطنت عثمانیہ ایک مرتبہ پھر پوری قوت اور جاہ وجلال کے ساتھ مستحکم ہو چکی تھی۔ تیمور لنگ کے ہاتھوں کھائے ہوئے زخم بھر چکے تھے اور اب ایک مرتبہ پھر عثمانی سلطنت کی توجہ یورپ کی طرف اور خصوصاً قسطنطنیہ کی فتح کی جانب مرکوز ہو چکی تھی۔ سلطان محمدؒ کو فتح قسطنطنیہ کا جنون کی حد تک شوق تھا۔ وہ سیدی رسول اللہ ﷺ سے گہری روحانی وابستگی رکھتے تھے اور سیدی رسول اللہ ﷺ کی حدیث شریف کے مطابق اس سعادت کو حاصل کرنا چاہتے تھے کہ جو فاتح قسطنطنیہ کیلئے سیدی رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی تھی۔

تاریخ میں یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک رات سلطان محمد فاتحؒ کے خواب میں ایک بہت نورانی صورت بزرگ تشریف لائے اور حکم دیا کہ قسطنطنیہ پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کرو۔ کہا جاتا ہے کہ وہ بزرگ خود حضرت ابوایوب انصاریؓ تھے۔ یہ حضور ﷺ کے وہ میزبان صحابیؓ ہیں کہ جن کے گھر کے سامنے مدینہ میں حضور ﷺ کی اونٹنی رک گئی تھی اور انکو حضور ﷺ کے پہلے میزبان ہونے کا شرف حاصل ہوا تھا۔ جیسے کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ حضرت ابوایوب انصاریؓ، حضرت معاویہؓ کے دور میں مسلمانوں کے اولین دستوں کے ہمراہ قسطنطنیہ پر حملہ آور ہوئے تھے، لیکن فتح یاب نہ ہو سکے۔ اسکی فصیل کے باہر ہی آپؓ کا انتقال ہو گیا تھا اور آپؓ کو وہیں دفن کر دیا گیا تھا۔ جس وقت سلطان محمد فاتحؒ کو یہ روحانی بشارت ملی، اس وقت ایشیاء اور یورپ کے جغرافیائی حالات قسطنطنیہ پر حملے کے لیے بہت موزوں ہو چکے تھے۔ تمام ایشیائی علاقوں پر عثمانی مسلمان مضبوطی سے دوبارہ قابض ہو چکے تھے اور یورپی بھی قسطنطنیہ کو چھوڑ کر بلقان اور مشرقی یورپ کے دیگر علاقوں میں آباد ہونا شروع ہو گئے تھے۔ قسطنطنیہ ایک زوال پذیر ریاست کا ایک ایسا دارالحکومت تھا کہ جو اب چاروں طرف سے عثمانی سلطنت کے گھیرے میں آ چکا تھا۔ نو سو سال کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ جب فوجی نقطہ نظر سے بھی مسلمان اس قابل ہو چکے تھے کہ اس شہر پر ایک بھرپور یلغار کر سکتے۔

چنانچہ تخت سنبھالتے ہی سلطان محمد فاتحؒ نے قسطنطنیہ فتح کرنے کے لیے جنگی تیاریوں کا آغاز کر دیا۔ دفاعی لحاظ سے قسطنطنیہ اس زمانے میں دنیا کا سب سے مضبوط قلعہ تھا۔ اسکی دیواروں کی موٹائی اتنی زیادہ تھی کہ گزشتہ ایک ہزار سال میں کوئی بھی بیرونی فوج طاقت کے زور پر اس شہر کو فتح نہیں کر سکی تھی۔ آج بھی اگر آپ استنبول جا کر اسکی فصیل کی دیواروں کی موٹائی دیکھیں تو انسان کی عقل دنگ رہ جاتی

ہے۔اس موٹی دیوار کے بھی کئی حصار تھے۔ایک باہر کا حصار تھا کہ جو میدانی علاقے کی طرف تھا۔اسکے علاوہ شہر کے نزدیک ایک داخلی حصار تھا، وہ بھی اتنا ہی مضبوط تھا جتنا کہ خارجی۔ پھر اس شہر کا جغرافیہ بھی اسکا سب سے بڑا دفاع تھا۔یعنی اس شہر کے تین اطراف میں سمندر اور چوتھی طرف خشکی ہونے کی وجہ سے یہ علاقہ تقریباً نا قابل شکست تھا۔قسطنطنیہ کے مضبوط ترین قلعے کو فتح کرنے کے لیے، اسکی دیواروں میں شگاف ڈالنا، اور سمندر کی جانب سے دشمن کی رسد اور کمک کو روکنا، اس مہم کے اہم ترین اہداف تھے۔

سلطان محمد فاتحؒ نے پہلے قسطنطنیہ کے سامنے مشرقی سمت میں ایک بڑے قلعے کی تعمیر شروع کی تا کہ بحیرہ اسود (Black Sea) کی طرف سے قسطنطنیہ کی فوج کو کوئی امداد نہ پہنچ سکے۔ یہ قلعہ عین آبنائے باسفورس پر قائم کیا گیا اور اس کے نتیجے میں اس آبنائے میں اب کوئی بھی بحری جہاز بغیر سلطانؒ کی اجازت کے، سفر نہیں کر سکتا تھا۔اسکے ساتھ ساتھ عثمانی بحری فوج بھی بنائی گئی۔کئی سو بحری جہاز تیار کیے گئے کہ جن کا کام آس پاس کے سمندروں کی ناکہ بندی کرنا اور سمندر کے راستے قسطنطنیہ پر حملہ کرنا تھا۔لیکن شہر پر اصل حملہ خشکی کے راستے ہی ہونا تھا۔ قلعے کی غیر معمولی مضبوط دیواریں توڑنے کیلئے غیر معمولی توپخانے کی ضرورت تھی۔اس دور میں بارود ایجاد ہو چکا تھا اور فوجیں اب توپخانے یا آرٹلری کا استعمال بھی کرنے لگی تھیں، مگر پھر بھی توپیں اتنی بڑی نہ تھیں کہ ایسے گولے داغ سکتیں کہ جو فصیل کی موٹی دیواروں میں شگاف ڈال سکیں۔

جنگی اور حربی تاریخ میں سلطان محمد فاتحؒ کا نام اس لیے بھی ہمیشہ زندہ رہے گا کہ اس غازی نے اتنی غیر معمولی جنگی حکمت عملی مرتب کی کہ اس وقت کی دنیا دنگ رہ گئی اور حقیقت یہ ہے کہ آنے والی صدیوں میں آج تک بھی ویسی حکمت عملی دوبارہ نہیں اپنائی گئی کہ جیسی سلطان محمد فاتحؒ نے قسطنطنیہ کی فتح کے وقت اپنائی تھی۔

اس جنگ سے قبل سلطان محمد فاتحؒ نے فیصلہ کیا کہ دنیا کی سب سے بڑی توپ بنائی جائے کہ جو قلعے کی فصیلوں کو توڑنے کا کام کرے۔ اس کام کے لیے انہوں نے ہنگری کے ایک سائنسدان کی خدمات حاصل کیں۔ اس سائنسدان نے پہلے بازنطینی سلطنت کو اپنی خدمات پیش کی تھیں، لیکن جب بازنطینی سلطنت نے اسکی تجاویز ماننے سے انکار کر دیا تو وہ سلطانؒ کے پاس چلا آیا۔سلطان محمد فاتحؒ نے اس سائنسدان کی اہمیت کو سمجھا اور اس کو دنیا کی سب سے بڑی توپ بنانے کی ذمہ داری سونپی، اور اس کیلئے تمام تر وسائل مہیا کرنے کا حکم صادر کیا۔ بڑی محنت سے دنیا کی سب سے بڑی توپ تیار کی گئی اور پھر اس کی نقل میں مزید دو سو توپوں کو تیار کیا گیا۔

اس توپ کی نال کی لمبائی ۲۷ فٹ تھی اور اس کا وزن ۱۸ ٹن ۔ یہ توپ ایک میل تک تین سو کلو وزنی پتھر کا گولا داغ سکتی تھی۔اس توپ کا دہانہ ۳۰ انچ قطر کا تھا۔اس توپ کو سو بیل اور چھ سو سپاہی گھسیٹا کرتے تھے۔اس بات سے اندازہ کیجیے کہ آج پاکستانی فوج کے پاس موجود سب سے بڑی توپ ''ہوٹزر'' (howitzer) کا دہانہ آٹھ انچ کا ہے۔ پاکستانی بحریہ کے بیڑے پر جو توپیں لگی ہیں ان کا دہانہ پانچ انچ قطر کا ہے، جبکہ سلطان محمد فاتحؒ کی بنائی ہوئی توپ کا دہانہ تیس انچ کا تھا۔ یہ اس وقت کی سب سے بڑی توپ تھی۔اس توپ کی
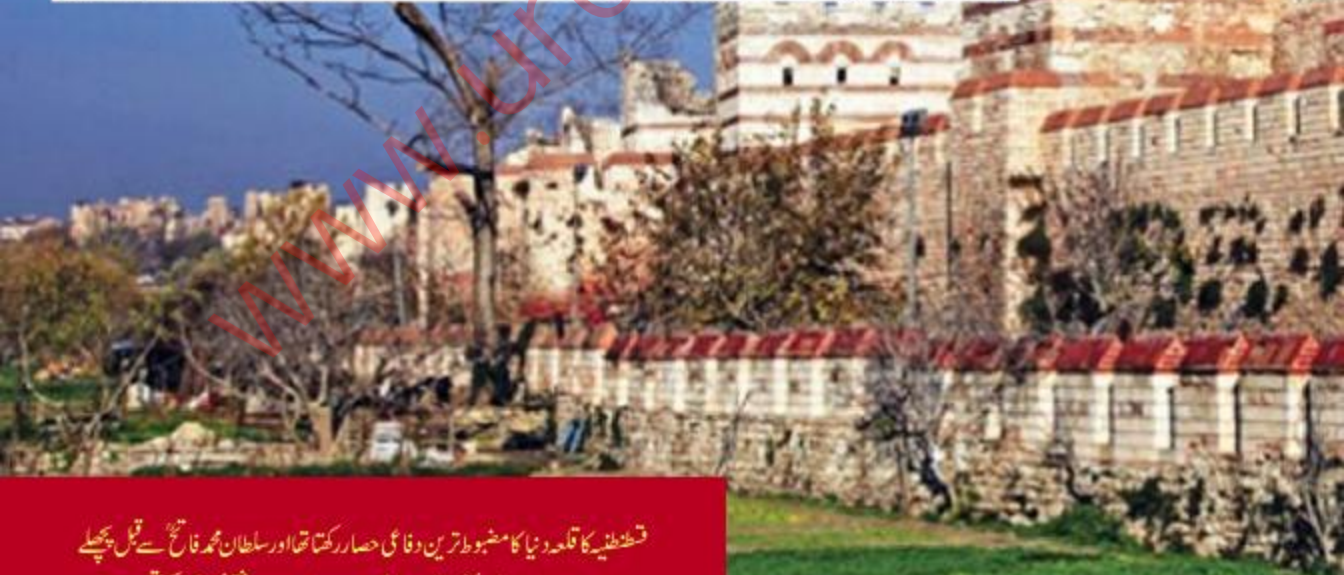
قسطنطنیہ کا قلعہ دنیا کا مضبوط ترین دفاعی حصار رکھتا تھا اور سلطان محمد فاتحؒ سے قبل پچھلے
دو ہزار سال میں کوئی بھی فوج اس کو طاقت کے زور پر فتح نہیں کر سکی تھی۔
مسلمانوں کو بھی اس قلعے کو فتح کرنے کیلئے نو سو سال لگے۔

برطانیہ کے عجائب گھر میں رکھی گئی عثمانی توپ کہ جو فتح قسطنطنیہ میں بھی استعمال ہوئی تھی۔

غیر معمولی تاریخ یہ ہے کہ سلطان محمد فاتحؒ کے دور کے تین سو سال کے بعد بھی ترکی بحریہ اسکو استعمال کرتی رہی اور اس نے اسی توپ کی مدد سے ۱۸۰۷ء میں انگلستان کے خلاف جنگوں میں دشمن کے کئی بحری جہاز ڈبوئے۔ ۱۸۶۰ء میں خلافت عثمانیہ نے ان میں سے ایک توپ تحفے کے طور پر برطانوی سلطنت کو دے دی۔ آج بھی برطانوی بحریہ کے عجائب گھر میں اسکا ماڈل رکھا ہوا ہے۔

لیکن اس توپ میں یہ کمزوری تھی کہ یہ دن میں صرف سات گولے ہی داغ سکتی تھی۔ اسکو دوبارہ لوڈ کرنے کے لیے کم از کم دو گھنٹے لگتے تھے۔ فیصلہ کن جنگ شروع ہونے سے قبل یہ توپیں خشکی کے راستے پر رکھ دی گئیں کہ جہاں سے مسلمانوں نے قسطنطنیہ کے قلعے پر یلغار کرنا تھی۔

....

میدان جنگ کا نقشہ کچھ اس طرح کا تھا کہ قسطنطنیہ کے تین اطراف میں پانی اور چوتھی سمت میں خشکی کا ایک بڑا راستہ تھا کہ جہاں سلطانؒ کی بّری فوج اور توپیں موجود تھیں۔ سلطان کی بحریہ قسطنطنیہ کے قریب آنے کے لیے ان سمندروں میں پیش قدمی کرتی رہی، لیکن خلیج زریں (Golden Horn) کے قریب سمندر سے قلعے کی طرف ایک آبنائے نکلتی تھی۔ اسکے منہ پر قلعے کی طرف ایک تنگ راستہ تھا کہ جہاں بازنطینی سلطنت نے بڑی بڑی زنجیریں نصب کی ہوئیں تھیں۔ کوئی بحری جہاز اسے پار کر کے سمندر کے راستے شہر کی

قسطنطنیہ کی فتح کیلئے بنائی گئی عظیم الشان توپ کہ جو اگلے تین سو سال تک ترک توپ خانے کا حصہ رہی

فصیلوں کے قریب تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ان زنجیروں کے اندر کچھ عیسائی بحری جہاز تھے کہ جو قسطنطنیہ شہر کی حفاظت پر مامور تھے، تاکہ سلطانؒ کا بحری بیڑہ زنجیریں پار کر کے سمندر کے راستے شہر پر حملہ نہ کر سکے۔ اصولی طور پر تو مسلمانوں کی طرف سے پورے شہر کا محاصرہ کیا جا چکا تھا، لیکن مسلمان فوجیں ابھی تک اس قابل نہیں تھیں کہ سمندر کے راستے قسطنطنیہ شہر پر یلغار کر سکتیں۔ خشکی کے راستے پر مسلمان توپوں کی بمباری قدرے سست تھی اور حملوں کی آہستہ رفتار کے باعث محافظین فصیل پر ہونے والے نقصان کی مرمت کر لیتے تھے۔شہر میں مسلح محافظین کی تعداد صرف دس ہزار تھی، لیکن قسطنطنیہ کا بادشاہ کونسٹانٹائن خود ان کی قیادت کر رہا تھا۔ گو کہ سلطانؒ کے پاس تقریباً ڈیڑھ لاکھ فوج تھی کہ جس میں بیس ہزار ان ''جانثاروں'' کے دستے تھے کہ جو سلطانؒ کے خاص محافظ تھے۔

ان جانثاروں کے بارے میں بھی تھوڑا سا جاننا ضروری ہے۔ یہ جانثار غلام اور مملوک نوجوان تھے کہ جنہیں خصوصی فوجی درس گاہوں میں تربیت دی جاتی تھی۔ اس خصوصی فوج کی تمام تر وفاداری صرف سلطانؒ کے ساتھ تھی۔ نہ تو ان کے کوئی رشتہ دار تھے اور نہ ہی کوئی خاندان، اور نہ ہی انہیں شادی کرنے کی اجازت تھی۔ انکی تمام تر زندگی صرف جنگوں اور فوجی چھاؤنیوں کے گرد ہی گھومتی تھی۔ یہ فوج امت مسلمہ کی خاص لڑاکا یعنی ''ایلیٹ فورس'' مانی جاتی تھی۔ یہ دستہ ہر خطرناک موقع پر اس حملے کی قیادت کرتا تھا کہ جو دشمن کی صفوں کو روندتا چلا جاتا۔

ان جانثاروں کے علاوہ، سلطانؒ کی فوج کا ایک اہم حصہ ان کا عسکری بینڈ ''مہتر'' بھی ہوا کرتا تھا۔ عین میدان جنگ میں یہ جوشیلے جنگی ترانے بجا کر فوج کا حوصلہ بلند رکھتے اور دشمنوں پر اپنا رعب اور دبدبہ ڈالتے۔ خلافت عثمانیہ کے دور میں صرف اس بینڈ کی جلالی آواز ہی پورے یورپ کو دہشت زدہ کرنے کیلئے کافی تھی۔ اس حملے میں بھی مہتر بینڈ اپنے پورے جلال کے ساتھ سلطانؒ کی فوج کے حوصلے بلند اور دشمن کے پست کر رہا تھا۔

قسطنطنیہ کے قلعے کی دیواریں اتنی مضبوط تھیں کہ تقریباً دو ماہ تک گولہ باری کے باوجود بھی وہ دیواریں توڑی نہ جا سکیں۔ کئی مرتبہ سلطانؒ نے متبادل جنگی حکمت عملی بھی استعمال کی۔ سرنگیں اور خندقیں کھود کر قلعے کی دیوار کے نیچے سے بھی راستہ بنانے کی کوشش کی گئی۔ دوسری طرف سے قلعے کے محافظین بھی دفاع کی سر توڑ کوششیں کر رہے تھے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اپنی بازنطینی سلطنت کے آخری قلعے کو بچانے کے لیے انہوں نے بھی سر دھڑ کی بازی لگائی ہوئی تھی۔ گو کہ محافظوں کی تعداد اتنی زیادہ نہ تھی، لیکن قلعے کی دیواریں ان کی محافظ تھیں۔ اس وقت کی جدید ترین توپیں بھی اس قلعے کی دیواروں کو توڑنے میں ناکام نظر آ رہی تھیں۔

کئی مرتبہ کھلی یلغار بھی کی گئی، لیکن مسلمان فوج کو خاصا نقصان اٹھانا پڑا۔ قلعے کی اونچی اور مضبوط دیواروں کو پار کرنا آسان نہیں تھا۔ قلعے کے اوپر بازنطینی توپیں بھی موجود تھیں۔ گو کہ وہ چھوٹی تھیں مگر ان کا نقصان یہ تھا کہ وہ قلعے کے برجوں میں سے داغی جاتی تھیں۔ اس کی وجہ سے وہ قلعے کی دیوار کو بھی نقصان پہنچاتیں۔ بازنطینیوں کی کوشش تھی کہ قلعے کی دیواروں کی مضبوطی سے تھک ہار کر

عثمانی فوج کے خصوصی جانثار دستے

ترک فوج کا خصوصی مہتر بینڈ کہ جس کی بجائی ہوئی جوشیلی دھنیں صدیوں تک میدان جنگ میں یورپ کے عیسائیوں پر دہشت اور دھاک بٹھاتی رہیں

مسلمان قلعے کا محاصرہ ختم کر کے واپس چلے جائیں۔ ان کو امید تھی کہ ایک ہزار سال سے جو شہر طاقت کے زور پر فتح نہیں کیا جاسکا، اس دفعہ بھی قدرت انکی مدد کریگی اور مسلمان کامیابی حاصل کیے بغیر ہی واپس لوٹ جائیں گے۔ ڈھائی ماہ کے محاصرے کے بعد بھی قلعہ فتح نہ کیا جاسکا۔ لہذا اب یہ ضروری ہو گیا تھا کہ مسلمان اپنی بحریہ کو بھی اس جنگ میں شامل کریں۔

مگر بحریہ کو جنگ میں شامل کرنے سے پہلے دو بڑی رکاوٹوں کو عبور کرنا ضروری تھا۔ ایک رکاوٹ لوہے کی بڑی زنجیریں تھیں کہ جو سمندر پر لگی ہوئی تھیں اور انکے پیچھے بازنطینی بحری جہاز کھڑے ہوئے تھے۔ اس بات کا کوئی امکان نہیں تھا کہ مسلمان بحریہ ان زنجیروں کو چیر کر آگے بڑھتی اور بازنطینی جہازوں کو تباہ کرنے کے بعد قلعے کی دیواروں کے پاس پہنچ جاتی۔ دوسری جانب قسطنطنیہ کے اس محاصرے کو دیکھ کر پورے یورپ سے سپاہیوں اور کمک کے ساتھ چند چھوٹے چھوٹے بحری جہاز بھی کسی طرح مسلمانوں کا محاصرہ توڑ کر شہر میں داخل ہو گئے۔ جس سے قلعے کے لوگوں کے حوصلے بہت بلند ہو گئے۔ اس کے علاوہ ''آیا صوفیا'' کے گرجے میں عیسائی مسلسل عبادت

کر کے بھی اس مصیبت کو ٹالنے کی کوشش کر رہے تھے۔ یہ گرجا ایک ہزار سال سے اس شہر میں قائم تھا اور عیسائی بازنطینی سلطنت کی فوجی، سیاسی اور مذہبی قوت کا مرکز تھا۔ عیسائیوں کا عقیدہ تھا کہ جب تک کہ یہ گرجا اپنی جگہ پر قائم ہے اس وقت تک اس شہر کو کوئی بھی بیرونی فوج طاقت کے زور پر فتح نہیں کر سکتی۔

اب جنگ ایک فیصلہ کن موڑ پر آ پہنچی تھی۔ مسلمانوں کو ہر حال میں قلعے کو فتح کرنا تھا اور اسکے لیے سمندر پر لگی ہوئی زنجیروں اور اسکے محافظ بحری جہازوں کو تباہ کرنا ضروری تھا۔ یا پھر کوئی ایسا حل نکالنا ضروری تھا کہ جس کے تحت مسلمان ان کو بائی پاس کر کے قلعے کی فصیل کے نیچے پہنچنے میں کامیاب ہو جاتے۔ قلعے کے نیچے پہنچنے کے لیے صرف ایک معمولی سی آبنائے تھی اور باقی چاروں طرف خشکی۔

سلطان محمد فاتحؒ کو قسطنطنیہ کی فتح کا ایمان کی حد تک یقین تھا۔ ہم یہ بات پہلے بتا چکے ہیں کہ سلطان محمد فاتحؒ کا حضور ﷺ سے ایک خاص قلبی اور روحانی تعلق تھا۔ صرف چھبیس سال کی کم عمری کے باوجود سلطانؒ حضور ﷺ سے عشق کی حد تک عقیدت رکھتے تھے اور قسطنطنیہ والی حدیث شریف پر عمل پیرا ہونے کیلئے جنون کی حد تک بے چین تھے۔ آپ کے اسی روحانی تعلق کی وجہ سے آپ کو خواب میں حضرت ابوایوب انصاریؓ کی زیارت بھی نصیب ہوئی تھی کہ جنہوں نے سلطانؒ کو یہ خوشخبری سنا دی تھی کہ قسطنطنیہ انہی کے ہاتھوں فتح ہو گا۔ اس خوشخبری کے بعد سلطانؒ کا جوش اور جذبہ اب عروج پر پہنچا ہوا تھا اور دنیا کی کوئی رکاوٹ ان کو اپنے ہدف سے دور نہیں رکھ سکتی تھی۔ اسی عشق اور جنون کی کیفیت میں سلطان محمد فاتحؒ نے ایک ایسی غیر معمولی حکمت عملی اختیار کی کہ جس نے آج تک دنیا کو ورطہء حیرت میں ڈال رکھا ہے۔ اس سے قبل اور نہ ہی اس کے بعد دنیا کے کسی سپہ سالار یا امیر البحر نے ایسا کارنامہ انجام دیا ہے کہ جیسا اس موقع پر سلطان فاتحؒ نے کر دکھایا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ ان کے اس عمل میں ظاہری حکمت عملی سے زیادہ ان کے عشق اور جنون اور روحانی قوتوں کا دخل تھا کہ جنہوں نے ان سے ایک ایسا کارنامہ کروا ڈالا کہ جو عسکری تاریخ کا معجزہ ہی کہا جا سکتا ہے۔

سلطان محمد فاتحؒ اب رکنے والے نہیں تھے۔ سلطانؒ نے حکم دیا کہ بحری جہازوں کو آبنائے کے ذریعے شہر کی فصیل کے قریب لانے کے بجائے خشکی پر چڑھا دیا جائے اور سات میل کا سفر خشکی پر طے کر کے مسلمان فوج بحری جہازوں کو گھسیٹتے ہوئے خلیج زریں تک لے جائے۔ سلطانؒ کا یہ حیرت انگیز حکم خود ان کے اپنے مشیروں کے لیے بھی ناقابل یقین اور ناقابل فہم تھا، مگر سلطانؒ کا ارادہ اٹل تھا۔ اس حکمت عملی کے تحت آبنائے زریں کے منہ پر لگی ہوئی زنجیر اور اس کے پیچھے کھڑے ہوئے عیسائی بحری جہازوں سے بچتے ہوئے، مسلمان بحری جہاز خشکی کے راستے ان کی پشت پر پہنچ سکتے تھے۔ یہ حیرت انگیز اور غیر معمولی کام کرنے کیلئے مسلمانوں نے ایک سڑک بنائی کہ جو آبنائے باسفورس سے شروع ہو کر آبنائے زریں تک جاتی تھی۔ اس مقصد کے لیے اس سڑک پر آس پاس کے درخت کاٹ کر انہیں لمبے لمبے پہیوں (Rollers) کے طور پر استعمال کیا گیا۔ ان پر چربی ملی گئی، اور پھر اسکے بعد پوری مسلمان فوج نے اپنے بڑے بڑے بحری جہازوں کو گھسیٹ کر ان پہیوں پر چڑھا دیا۔ یہ تمام حکمت عملی انسانی عقل اور فکر کیلئے ناقابل یقین ہے، مگر تاریخی حقیقت یہی

فتح قسطنطنیہ کیلیے سلطانؒ کی فیصلہ کن یلغار
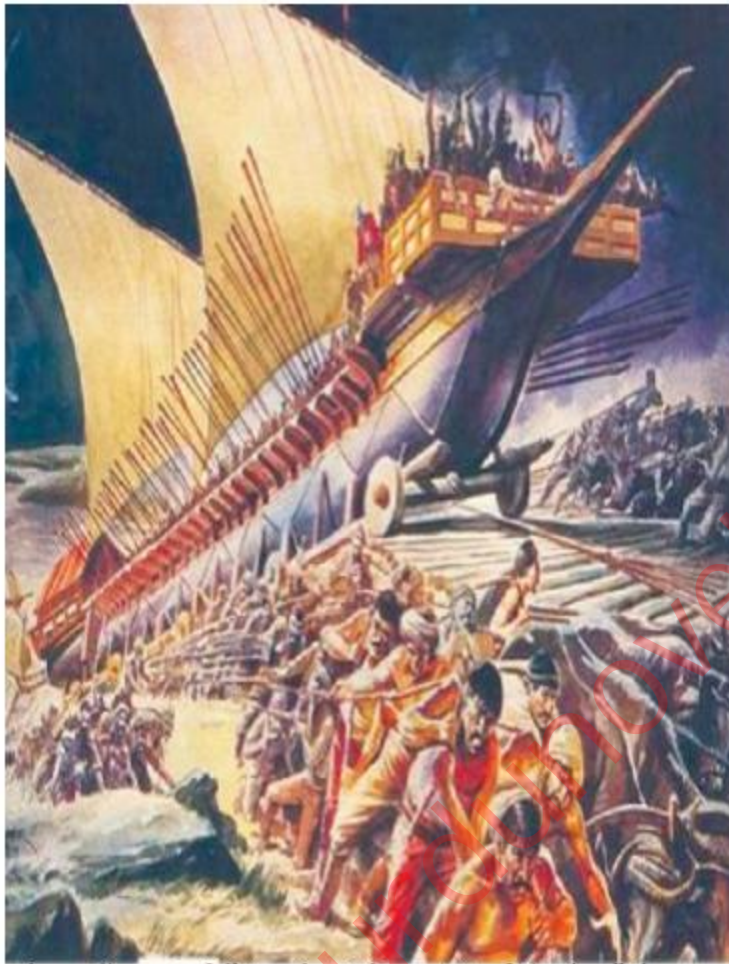
ہے کہ مسلمان بحری بیڑا لکڑی کے بڑے بڑے پہیوں پر گھسیٹ کر راتوں رات آبنائے باسفورس سے قسطنطنیہ شہر کی فصیلوں کے نیچے اتار دیا گیا۔ یہ سارا آپریشن رات کی تاریکی میں ہوا اور صبح جب بازنطینی اٹھے اور سمندر کی طرف دیکھا تو دہشت زدہ رہ گئے کہ وہاں عثمانی بحری بیڑا توپوں سے ان پر یلغار کر رہا تھا۔ جس جگہ مسلمان بحری بیڑا اترا، وہاں پانی کی گہرائی کم تھی اور مسلمان بحری جہاز ان بازنطینی بحری جہازوں کے مقابلے میں کہ جو آبنائے زریں کے منہ پر اس کا دفاع کر رہے تھے، قدرے چھوٹے تھے۔ نتیجتاً بازنطینی بحری جہاز واپس مڑ کر مسلمان بحریہ کو روکنے کے لیے قلعے کی دیواروں کے قریب نہیں آسکتے تھے، لہذا ان کی بحری فوج اپنی جگہ کھڑی ہی رہ گئی۔ اس کے آگے زنجیر تھی اور پیچھے مسلمان بحری بیڑا۔

اب مسلمان سمندر کے راستے بھی قلعے کی دیواروں کے نیچے تک پہنچ چکے تھے اور قلعے پر دو اطراف سے گولہ باری شروع ہو چکی تھی۔ قسطنطنیہ کے قلعے میں وہشت پھیل چکی تھی۔ انہوں نے اپنے محافظین کی بہت بڑی تعداد کو خشکی کے راستے سے ہٹا کر سمندر کی جانب لگا دیا کہ جہاں سے اب ترک بحری بیڑا اور بحری کمانڈو دستے قلعے کے اندر داخل ہونے کے لیے تیار کھڑے تھے۔ اب عیسائی فوج کیلئے دونوں طرف کے محاذوں کو سنبھالنا تقریباً ناممکن ہو گیا تھا۔ بالآخر ڈھائی ماہ بعد ترک توپوں نے قلعے کی دیواروں میں شگاف ڈالنا شروع کر دیے اور دیواریں جگہ جگہ سے اتنی کمزور ہو گئیں کہ اب یلغار کے ذریعے اس پر قبضہ کیا جا سکتا تھا۔ پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ سلطانؒ نے فیصلہ کیا کہ اب تمام مسلمان فوج ایک ساتھ یلغار کرے تا کہ اس قلعے پر قبضہ کیا جا سکے۔

اس موقع پر جنگی شوریٰ طلب کی گئی۔ سلطانؒ کے وزیروں میں سے ایک امیر دشمنوں سے ساز باز کر چکا تھا اور سلطانؒ کو یہ مشورہ دے رہا تھا

فتح قسطنطنیہ

(20 جمادی الاولیٰ 857ھ/29 اپریل 1453ء)

عثمانی عساکر قسطنطنیہ کے گرد

قسطنطنیہ

ایاصوفیہ

بحیرہ مرمرہ

شاخ زریں

آبنائے باسفورس

بشکطاش

غلطہ

اسکودار (سکوطری)

براعظم ایشیا

براعظم یورپ

سلطان محمد فاتح کا خیمہ

باب ادرنہ

توپ دروازہ (توپ کاپی)

لیکوس ندی

بحری زنجیر

جہاز خشکی پر سے لے جائے گئے

سنہری دروازہ

درہ دانیال کی طرف

Fetih Ordusu İstanbul Önlerinde

مصنف استنبول میں واقع سلطان فاتح عجائب گھر میں۔

یہ عجائب گھر عین اسی مقام پر قائم کیا گیا ہے کہ جہاں فتح قسطنطنیہ کے وقت سلطان اپنی فوجوں کے ساتھ موجود تھے۔

کہ اس موقع پر محاصرہ اٹھا لیا جائے اور مسلمان فوجیں واپس لوٹ جائیں۔ اس کی اس رائے کو سختی سے رد کر دیا گیا۔ بعد میں جب یہ معلوم ہوا کہ وہ دشمنوں سے ساز باز کر چکا ہے، تو اس کو سزائے موت دے دی گئی۔ اس وقت بھی مسلمانوں کی صفوں میں غدار موجود تھے۔

اب قسطنطنیہ کی پشت میں سمندر کی طرف سے بھی مسلمان بحری بیڑا توپوں سے فائر کر رہا تھا۔ مہتر بینڈ کو پوری قوت کے ساتھ جنگی ساز بجانے کا حکم دے دیا گیا۔ اجتماعی دعا اور نوافل کے بعد عام یلغار کا حکم ہوا اور ترک ''جانثار'' دستے، گھڑ سوار اور پیادہ فوج نے پوری قوت کے ساتھ بیک وقت قلعے پر حملہ کر دیا۔ قسطنطنیہ کے باہر دو بڑی بڑی فصیلیں موجود تھیں۔ اندرونی فصیل شہر کے نزدیک تھی اور بیرونی فصیل وہ تھی کہ جسے مسلمان فوج کا توپ خانہ بمباری کر کے توڑ رہا تھا۔ عیسائی فوج کی کمی کے باعث جو دفاعی نظام قائم کیا گیا تھا، وہ بیرونی حصار پر کیا گیا، یعنی قلعے کا تمام دفاع باہر والی فصیل پر ہی ہو رہا تھا۔ اگر باہر والی فصیل گر جاتی تو اندر دفاع کا کوئی انتظام موجود نہ تھا۔ محافظین کی تعداد ویسے ہی نصف ہو چکی تھی کیونکہ نصف تعداد مسلمان بحری بیڑے کو روکنے کے لیے روانہ کر دی گئی تھی۔

اس وقت پورے شہر میں موت اور ماتم کا سا سماں تھا۔ تمام شہری آیا صوفیا کے گرجے میں جمع تھے اور خدا کے حضور گڑ گڑا کر غیبی امداد طلب کر رہے تھے کہ جس نے اب کبھی نہ آنا تھا۔ اس موقع پر چند ایسی غیر معمولی باتیں بھی ضرور ہوئیں کہ ان سے شہر کے لوگوں نے یہ شگون لیا کہ جیسے اب اس شہر سے برکت اٹھا لی گئی ہے اور یہ شہر ان کے ہاتھ سے نکلنے والا ہے۔ چاند گرہن ہو گیا۔ اس سے عیسائیوں نے برا شگون لیا۔ اسکے علاوہ شہر کے اوپر کچھ لوگوں کو روشنی دکھائی دی۔ ان تمام توہمات کے نتیجے میں ان کے حوصلے مزید ٹوٹ گئے۔ جب مسلمانوں کا نقارہ ء جنگ بجنا شروع ہوا تو قسطنطنیہ کا حاکم شہر کی گلیوں میں پھرنے لگا، آخری مرتبہ شہر پر نگاہ ڈالی اور فصیل کی طرف روانہ ہو گیا، جہاں اس نے اپنی فوج کی قیادت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ مسلمانوں کی فوج اللہ اکبر کے نعروں اور مہتر بینڈ کی جوشیلی دھنوں کے دوران فصیل کو روندتے ہوئے شہر میں داخل ہو رہی تھی۔ قسطنطنیہ کہ جو پچھلے ایک ہزار سال سے مشرقی بازنطینی سلطنت کا مرکز تھا اور تمام صلیبی دنیا کا محافظ اور قلعہ، اب ایک بابرکت مسلمان فوج کے قدموں تلے روندا جا رہا تھا۔

صلیبی جنگوں کے دوران رچرڈ دی لائن ہارٹ جب سلطان صلاح الدینؒ کے مقابلے کے لیے فلسطین روانہ ہوا تو سب سے پہلے قسطنطنیہ میں واقع آیا صوفیا کے گرجے پہنچا اور وہاں عبادت کی۔ آیا صوفیا کا گرجہ پوری عیسائی دنیا کا مرکز تھا اور اگر یہ مسلمانوں کے ہاتھ لگ جاتا تو اس کی مثال ایسے ہی ہے کہ جیسے نعوذ باللہ، کوئی عیسائی فوج مکہ یا مدینہ پر قبضہ کر لے۔

بالآخر ایک گھمسان کی لڑائی کے بعد، ۱۴۵۳ء میں مسلمان فوج سلطان محمد فاتح کی قیادت میں، فیصلہ کن حملے کے بعد قسطنطنیہ میں داخل ہو گئی۔ شہنشاہ کونسٹنٹائن اپنی فوج کی قیادت کرتے ہوئے آخر کار مسلمانوں کے ساتھ گلی کوچوں میں دست بدست لڑائی کرنے لگا۔ اس کو آخری دفعہ انہی گلیوں میں دیکھا گیا اور پھر وہ ہمیشہ کیلئے غائب ہو گیا۔ یا تو وہ جنگ میں مارا گیا، فرار ہوتے ہوئے کہیں ڈوب گیا، یا پھر فرار ہو کر ذلت کے مارے گمنامی میں ہی زندگی گزارتا رہا۔ مگر تاریخ کو اس کا حتمی انجام معلوم نہیں۔ عیسائیوں میں اس کے حوالے سے

بہت سی کہاوتیں مشہور ہوگئیں کہ وہ زندہ ہے اور لوٹ کر واپس آئے گا، یا پھر اس کو ایک سنگ مرمر کے ستون میں تبدیل کردیا گیا ہے اور وہ وقت کا انتظار کر رہا ہے کہ جب وہ اس شہر کو مسلمانوں سے واپس لیکر عیسائیوں کے حوالے کرے۔ سلطان محمد فاتحؒ نے آخری حملے سے قبل شہنشاہ کونسٹنٹائن کو یہ پیشکش بھی کی تھی کہ اگر وہ ہتھیار ڈال دے تو اپنے اہل وعیال اور ساز وسامان کے ساتھ شہر سے باعزت رخصت ہوسکتا ہے۔

اسی طرح آیا صوفیا کے گرجے کے ایک پادری کے متعلق یہ روایت مشہور ہوگئی کہ جونہی مسلمان گرجے میں داخل ہوئے تو اس پادری کو دو فرشتے وہاں سے اٹھا کر لے گئے اور جب یہ علاقہ دوبارہ عیسائیوں کے پاس آئے گا، تو وہ پادری بھی لوٹ آئے گا۔ یہ تمام توہمات اور وہم اس قوم کو لاحق تھے کہ جو یہ تسلیم کرنے کے لیے تیار ہی نہیں تھی کہ یہ شہراب مسلمانوں کے ہاتھ آچکا ہے۔

شہنشاہ کونسٹنٹائن کا مجسمہ

سلطانؒ نے اپنی خاص تربیت یافتہ فوج پہلے ہی شہر میں داخل کردی تھی اور اس پر یہ ذمہ داری عائد کی تھی کہ شہر کو لوٹ مار سے بچایا جائے۔ جنگ کی نفسانفسی میں کچھ فوجیوں کی طرف سے نظم وضبط کی کمزوری ظاہر کی گئی، مگر اس پر جلد قابو پالیا گیا۔

سلطانؒ نے تمام شہر کو امان دے دی۔ جب آیا صوفیا کے گرجے میں سلطانؒ، فاتحانہ شان سے اپنی فوج کے ساتھ داخل ہوا تو سجدہ شکر ادا کیا گیا۔ پھر سلطانؒ نے باآواز بلند فتح قسطنطنیہ سے متعلق حضورﷺ کی حدیث مبارکہ پڑھی اور شہر کا نام "قسطنطنیہ" سے تبدیل کرکے "اسلام بول" رکھا، یعنی اسلام کا شہر۔ بعد میں جو بتدریج "اسلام بول" سے تبدیل ہوکر "استنبول" ہوگیا۔

مئوذنوں کو حکم دیا گیا کہ بلندی پر چڑھ کر اذان دیں اور پہلی مرتبہ، اسلام کے ظہور کے بعد، بازنطینی سلطنت کے مرکز قسطنطنیہ میں اذان کی آواز گونجنے لگی۔ آیا صوفیا کے گرجے کو مسجد میں تبدیل کردیا گیا اور آنے والی چھ صدیوں تک یہ مسجد ہی رہا۔ اس کی دیواروں پر بنی

سلطان محمدؒ قسطنطنیہ میں فاتحانہ داخل ہوتے ہوئے۔ اس تاریخی کامیابی کے بعد ہی آپ کو ''فاتح'' کا خطاب دیا گیا۔

ہوئی تصویروں پر رنگ وروغن کیا گیا اور اس کے اندر منبر رکھا گیا۔ سلطان فاتحؒ نے اس وقت یہ دعا بھی کی کہ اللہ اس گرجے کو ہمیشہ مسجد بنا کر ہی رکھے اور جو کوئی شخص بھی اس کو دوبارہ گرجے میں تبدیل کرنے کی کوشش کرے، اس پر اللہ کی لعنت ہو!

۱۹۲۳ء میں جب خلافت کا خاتمہ ہوا تو مصطفیٰ کمال پاشا نے آیا صوفیا کی مسجد کو ایک عجائب گھر میں تبدیل کر دیا۔ آج اگر آپ استنبول جائیں تو آیا صوفیا ایک میوزیم کی حیثیت سے آپ کا استقبال کرے گا۔ اس کے اندر دیواروں پر کیا گیا رنگ آہستہ آہستہ کر کے ہٹایا جا رہا ہے اور نیچے سے وہ تمام تصاویر دوبارہ ظاہر ہو رہی ہیں کہ جو ایک ہزار سال پہلے اس گرجے میں بنائی گئی تھیں اور سلطان فاتح کے حکم سے ان پر رنگ کر دیا گیا تھا۔ ترکی کی موجودہ اردگان حکومت نے مسلمانوں کے جذبات کی نمائندگی کرتے ہوئے اس بات کا اشارہ دیا ہے کہ آیا صوفیا کے عجائب گھر کو ایک مرتبہ پھر مسجد میں تبدیل کر دیا جائے گا، ان شاءاللہ۔

آجکل کچھ نام نہاد دانشور اس بات پر اعتراض اٹھاتے ہیں کہ سلطان محمد فاتحؒ نے گرجے کو مسجد میں تبدیل کر کے اسلامی روایات سے انحراف کیا ہے، لہٰذا سلطانؒ اس قابل نہیں ہے کہ ان کو حضورﷺ کی حدیث کے مطابق "فاتح قسطنطنیہ" کا خطاب دیا جائے۔ یہ فتنہ حال ہی کی پیداوار ہے جبکہ پچھلی پانچ صدیوں سے امت مسلمہ میں کسی کو سلطانؒ کے اس عمل اور ان کے اس روحانی مقام کے بارے میں کوئی شک نہیں ہوا۔ ترک سلطنت میں ہزاروں عیسائی گرجے موجود رہے ہیں، کسی دوسرے گرجے کو کبھی بھی مسجد میں تبدیل نہیں کیا گیا اور عیسائی آبادی کو ہمیشہ اپنی مذہبی آزادی حاصل رہی ہے۔ آیا صوفیا کا گرجہ محض ایک عبادت گاہ نہیں تھا۔ جیسے کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ یہ بازنطینی عیسائی سلطنت کا عسکری، سیاسی اور مذہبی مرکز بھی تھا۔ عیسائیوں میں یہ عقیدہ بھی عام تھا کہ جب تک یہ گرجہ قائم رہے گا اس وقت تک قسطنطنیہ کسی غیر عیسائی طاقت کے قبضے میں نہیں جا سکتا۔ شہنشاہ کونسٹنٹائن کی گمشدگی نے بھی اس عقیدے کو مزید تقویت دی تھی۔ ان تمام خرافات کا حتمی طور پر قلع قمع کرنے کیلئے، اور عیسائی بازنطینی سلطنت کو قیامت تک کچلنے کیلئے یہ لازم تھا کہ ان کے عسکری، سیاسی اور مذہبی مرکز پر شدید ضرب لگائی جائے اور اس کی جڑ ہی کاٹ دی جائے۔ اس مقصد کیلئے یہ لازم تھا کہ اس گرجے کو مسجد میں تبدیل کر دیا جائے۔ یہ ایک سیاسی، عسکری اور مذہبی ضرورت تھی اور پچھلی پانچ صدیوں میں امت مسلمہ میں کسی ایک عالم یا حکمران نے اس فیصلے پر اعتراض نہیں کیا اور امت کا اجماع ہے سلطان محمد فاتحؒ کے اس روحانی مقام پر کہ وہ حقیقی معنوں میں حضورﷺ کی حدیث شریف کی بشارت کے حقدار ہیں۔

....

آیا صوفیا کے گرجے میں نماز ادا کرنے کے بعد سلطانؒ نے سب سے پہلے حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مزار کو تلاش کیا۔ روایتوں میں آتا ہے کہ خود ابوایوب انصاریؓ نے خواب میں آ کر سلطانؒ کو اپنی قبر کی نشاندہی کی۔ وہ مہم جس کا آغاز ابوایوب انصاریؓ سے ہوا تھا، اس کی تکمیل بھی سلطان محمد فاتحؒ کے ہاتھوں حضرت ابوایوب انصاریؓ کی روحانی تائید کے ذریعے ممکن ہوئی۔ ان کی قبر مبارک کے مقام پر

SULTAN MEHMED THE CONQUEROR

سلطان محمد فاتحؒ کے مزار پر لگی ہوئی تختی کہ جس پر واضح لکھا ہوا ہے کہ سلطان نے اس شخص کیلئے بد دعا کی تھی کہ جو" آیا صوفیا" کی مسجد کو دوبارہ گرجے میں تبدیل کرنے کی کوشش کرے

بہت خوبصورت مزار تعمیر کروایا گیا۔ آج بھی استنبول میں قسطنطنیہ کی فصیل کے باہر "ایوب سلطان" کے نام سے ایک کوچہ ہے، جہاں پر حضرت ابوایوب انصاریؓ کا مزار موجود ہے کہ جو پوری دنیا سے آنے والے مسلمانوں کے لیے عقیدت اور محبت کا مرکز ہے۔

قسطنطنیہ کی فتح کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پوری مسلم دنیا میں پھیل گئی اور مشرق و مغرب میں شکرانہ ادا کیا گیا۔ پوری مسلمان امت کے حکمرانوں، علماء اور عوام الناس کی جانب سے سلطان فاتحؒ کو مبارکباد کے پیغامات بھیجے گئے اور ان کیلئے مسجد نبوی اور خانہ کعبہ میں خصوصی دعائیں کروائی گئیں۔ فتح بیت المقدس کے بعد فتح قسطنطنیہ امت مسلمہ کیلئے سب سے بڑی خوشی اور فتح تھی۔ سلطانؒ نے بھی مسجد نبوی اور خانہ کعبہ کیلئے خصوصی طور پر تحائف بھجوائے۔

فتح قسطنطنیہ کے بعد سلطان محمد فاتحؒ نے وہاں پر توپ کاپی کا محل بھی تعمیر کروایا کہ جو بعد میں عثمانی سلطنت کا مرکز بنا۔ قسطنطنیہ سے قبل

قدیم آیا صوفیا کا گرجا کہ جو تقریباً پندرہ سو سال قبل تعمیر کیا گیا تھا

جدید آیا صوفیا کی مسجد۔ ترک معمار سینان نے گرجے کے اطراف مینار تیار کروائے اور اس کو مزید مضبوط بنیادوں پر تعمیر کیا۔

عثمانی سلطنت کا مرکز برسہ کا شہر تھا، مگر اب دارالحکومت کو یہاں منتقل کر دیا گیا۔ صدیوں تک خلافت عثمانی کا مرکز رہنے کے بعد آج توپ کاپی کا محل ایک عجائب گھر میں تبدیل کر دیا گیا ہے کہ جہاں پر پوری عالم اسلام کی تاریخ جمع کر دی گئی ہے۔ سیدی رسول اللہ ﷺ کے زیر استعمال تبرکات سے لیکر خلفائے راشدینؓ کے ہتھیار اور انبیاءؑ کے تبرکات بھی یہاں رکھے گئے ہیں۔ ترک قوم آج بھی انتہائی عقیدت اور محبت کے ساتھ ان خزانوں کی حفاظت کرتی ہے، کہ جو پوری امت مسلمہ کے کونے کونے سے جمع کر کے یہاں تک لائے گئے تھے۔ جب خلافت، عباسی حکمرانوں سے عثمانی حکمرانوں میں منتقل ہوئی تو خلافت کے تبرکات بھی استنبول بھجوا دیئے گئے تھے اور آج اسی توپ کاپی محل میں محفوظ ہیں۔

توپ کاپی کے علاوہ پورے استنبول میں دیگر خوبصورت ترین عمارات اور مساجد بھی تعمیر کروائی گئیں۔ ہر عثمانی سلطان نے ایک عظیم الشان مسجد ضرور تعمیر کی کہ جو اس کے نام سے منسوب ہے۔ عالم اسلام کی خوبصورت ترین مسجد (Blue Mosque) کہ جس کو "سلطان احمد جامع" بھی کہتے ہیں، مسجد آیا صوفیا کے سامنے سولہویں صدی میں سلطان احمد نے تعمیر کروائی تھی۔

خوبصورت پہاڑیوں پر واقع یہ شہر استنبول امت مسلمہ کے تاج کا ہیرا ہے۔ آج بھی یہ شہر رومانوی حد تک خوبصورت ہے اور ترکوں کی اسلام سے محبت اور پیار کا منہ بولتا ثبوت۔ آج بھی اگر کوئی مسلمان استنبول کا دورہ کرے تو خاص طور پر توپ کاپی، سلطان احمد جامع اور سلطان فاتح کے مزار پر ضرور حاضری دے اور ایوب سلطان کے پاس سلام پیش کرے۔ اس عمل کے بعد ممکن ہی نہیں ہے کہ کسی مسلمان کے وجود میں انقلاب برپا نہ ہو۔ انسان کے وجود میں ایک ایسا روحانی تغیر آتا ہے کہ جو اس کو عظمت رفتہ اور قرون اولیٰ کی جذباتی وادیوں میں لے جاتا ہے۔

....

جب قسطنطنیہ مسلمانوں کے پاس چلا گیا تو پورے یورپ میں صف ماتم بچھ گئی۔ پوپ نے غصے میں آ کر ایک اور صلیبی جنگ کا اعلان کر دیا، لیکن اب یورپ میں اتنا دم نہیں تھا کہ عثمانی سلطانوں کے خلاف کوئی فوج اکٹھی کر سکتے۔ بَر اور بحر، دونوں میں ہی لا الہ الا اللہ کا پرچم لہرایا جا چکا تھا۔

۱۴۸۰ء میں سلطانؒ نے ایک فوج روم کے خلاف روانہ کی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ پوپ کو اسلام دشمنی کی سزا دی جائے۔ اس وقت پورے یورپ میں کوئی ایسی طاقت موجود نہ تھی کہ جو اس مسلمان لشکر کو روکنے کی سکت رکھتی۔ آخر کار مسلمان فوج کا یہ لشکر اٹلی کے ساحل پر جا اترا۔ روم بالکل سامنے تھا اور قریب تھا کہ عیسائی دنیا کے تمام چراغ بجھا دیئے جاتے، مگر یہاں قدرت نے مسلمانوں کو روک دیا۔ ۱۴۸۱ء میں کہ جب مسلمان روم میں داخل ہونے ہی والے تھے کہ پیچھے سے خبر آئی کہ سلطان محمد فاتحؒ کا انتقال ہو گیا ہے۔ مسلمان

فوج کو پیش قدمی سے روک دیا گیا اور وہ واپس استنبول لوٹ آئی۔ اس وقت بہت ممکن تھا کہ دنیا سے عیسائیت کے تمام مراکز مٹ جاتے۔ شمالی بازنطینی سلطنت تو پہلے ہی مسلمانوں کے پاس تھی۔ مغربی رومی سلطنت کا بھی کوئی محافظ مسلمانوں اور اس سلطنت کے درمیان حائل نہیں تھا، لیکن اس وقت قدرت یہ نہیں چاہتی تھی کہ عیسائی دنیا کو جڑ سے مٹا دیا جائے ورنہ آج پورا یورپ مسلمان ہوتا۔

وہ کام جو عیسائی فوجیں نہ کر سکیں وہ ایک عیسائی طبیب نے کر دکھایا۔ پوپ نے ایک عیسائی طبیب مسلمانوں کے روپ میں سلطانؒ کے دربار میں بھیجا، کہ جس نے یعقوب پاشا کے نام سے سلطانؒ کے دربار میں جگہ بنا لی، اور پھر موقع پا کر سلطانؒ کو زہر دے کر شہید کر دیا۔ چھبیس سال کی عمر میں قسطنطنیہ فتح کرنے والا امت مسلمہ کا یہ جلیل القدر فرزند اور حضور ﷺ کی بشارت کا حقدار سلطانؒ، تقریباً پچاس برس کی عمر میں شہادت کی منزل پا گیا۔ سلطانؒ کی شہادت کی خبر پہنچتے ہی پورے یورپ کے گرجوں میں خوشی سے گھنٹیاں بجنے لگیں اور پوپ نے تین دن تک شکرانے اور جشن منانے کا اعلان کیا۔

....

قسطنطنیہ کی فتح کے بعد ترک سلطنت عالم اسلام کی عظیم ترین طاقت بن کر ابھری اور پوری دنیا کے مسلمانوں نے یہ فیصلہ کیا کہ امت کی عزت اور آبرو کی حفاظت کے لیے خلافت کو بھی بغداد سے منتقل کر کے عثمانیوں کو دے دیا جائے۔ پہلی مرتبہ خلافت عربوں کے ہاتھ سے نکل کر غیر عربوں کے پاس چلی گئی۔ اس وقت کے علماء نے فتویٰ دیا کہ اب غیر عربوں کی خلافت جائز ہے، کیونکہ مسلم امت کی حفاظت کے لیے ترکوں کے علاوہ کوئی اور طاقت دنیا میں موجود نہیں کہ جو چین سے لیکر یورپ تک اور شمالی افریقہ سے لے کر یمن تک دشمنوں کا مقابلہ کر سکے۔ اس وقت سے یہ ترک حکومت خلافت عثمانیہ کے نام سے جانی جانے لگی اور آئندہ کئی سو سال تک امت مسلمہ کی عزت و آبرو کی محافظ رہی۔

ترک خلفاء نے سب سے پہلے خادم الحرمین الشریفین کا لقب اختیار کیا کہ جو اب سعودی عرب کے حکمران بھی اپنے لیے استعمال کرتے ہیں۔ ترکوں نے بہت ہی ادب و احترام کے ساتھ حرم کعبہ اور حرم نبوی کی تعمیر بھی کروائی۔ وہ عمارتیں آج بھی اللہ اور اسکے رسول ﷺ سے ترکوں کے لازوال عشق کی تاریخ بیان کرتی ہیں۔ مسجد نبوی کی تعمیر اس قدر پیار سے کی گئی کہ اس کو بنانے میں دو نسلیں لگ گئیں۔ پوری دنیا سے مسلمان کاریگروں کو بلوا کر مدینے کے باہر آباد کیا گیا اور ان کو حکم دیا گیا کہ اپنا فن اپنے بچوں کو سکھائیں اور ساتھ ساتھ بچوں کو حافظ قرآن بھی بنائیں۔ جب وہ بچے اپنا فن سیکھ گئے تو ان بچوں کو مسجد نبوی کی تعمیر پر لگوایا گیا۔ وہ اس پیار کے ساتھ مسجد نبوی میں کام کرتے تھے کہ کام کے دوران وہ قرآن پاک کی تلاوت کرتے رہتے۔ ہتھوڑوں پر چمڑے کے ٹکڑے لپیٹے گئے تا کہ ٹھوکنے کی آواز سے آپ ﷺ کو زحمت نہ ہو۔ اس قدر ادب اور پیار کے ساتھ تعمیر کی جانے والی ترک مسجد نبوی اور ترک حرم کعبہ آج بھی اپنی جگہ پر موجود ہیں اور انشاء اللہ قیامت تک قائم رہیں گے۔ آج مسجد نبوی میں نصب منبر بھی سلطان مراد کا بھیجا ہوا ہے۔ پوری مسجد نبوی کی

↑ حضرت ابوایوب انصاریؓ کا مزار۔ ۱۹۰۰ء کی ایک نادر تصویر

↓ مصنف استنبول میں واقع صحابہ کرامؓ کے مقامات پر حاضری دیتے ہوئے

مصنف اپنی اہلیہ کے ساتھ حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مزار پر حاضری کے بعد

توپ کاپی کا محل کہ جو صدیوں تک خلافت عثمانی کا مرکز رہا۔ اب اس کو ایک عجائب گھر میں تبدیل کر دیا گیا ہے
کہ جہاں پر تاریخ اسلام کے نادر ترین تبرکات انتہائی ادب کے ساتھ محفوظ کیے گئے ہیں۔
حضور ﷺ، انبیاء کرامؑ اور اصحاب رسول ﷺ سے منسوب متبرک ترین تبرکات یہاں زیارت کیلئے رکھے گئے ہیں۔

حضرت یوسفؑ کا عمامہ

حضور ﷺ کا وہ مکتوب کہ جو آپ ﷺ نے ہرقل روم کے نام تحریر فرمایا تھا
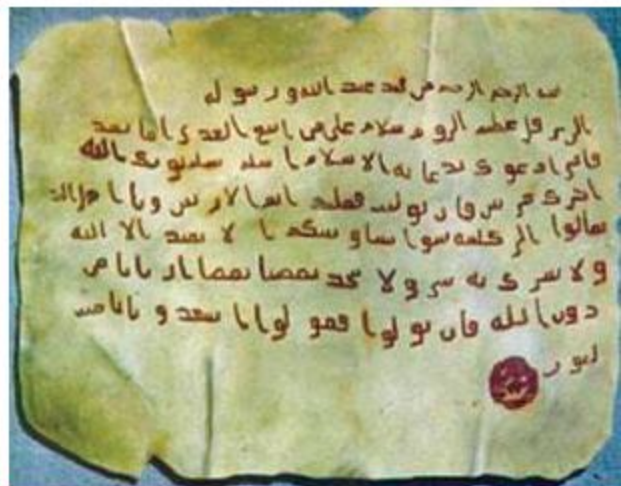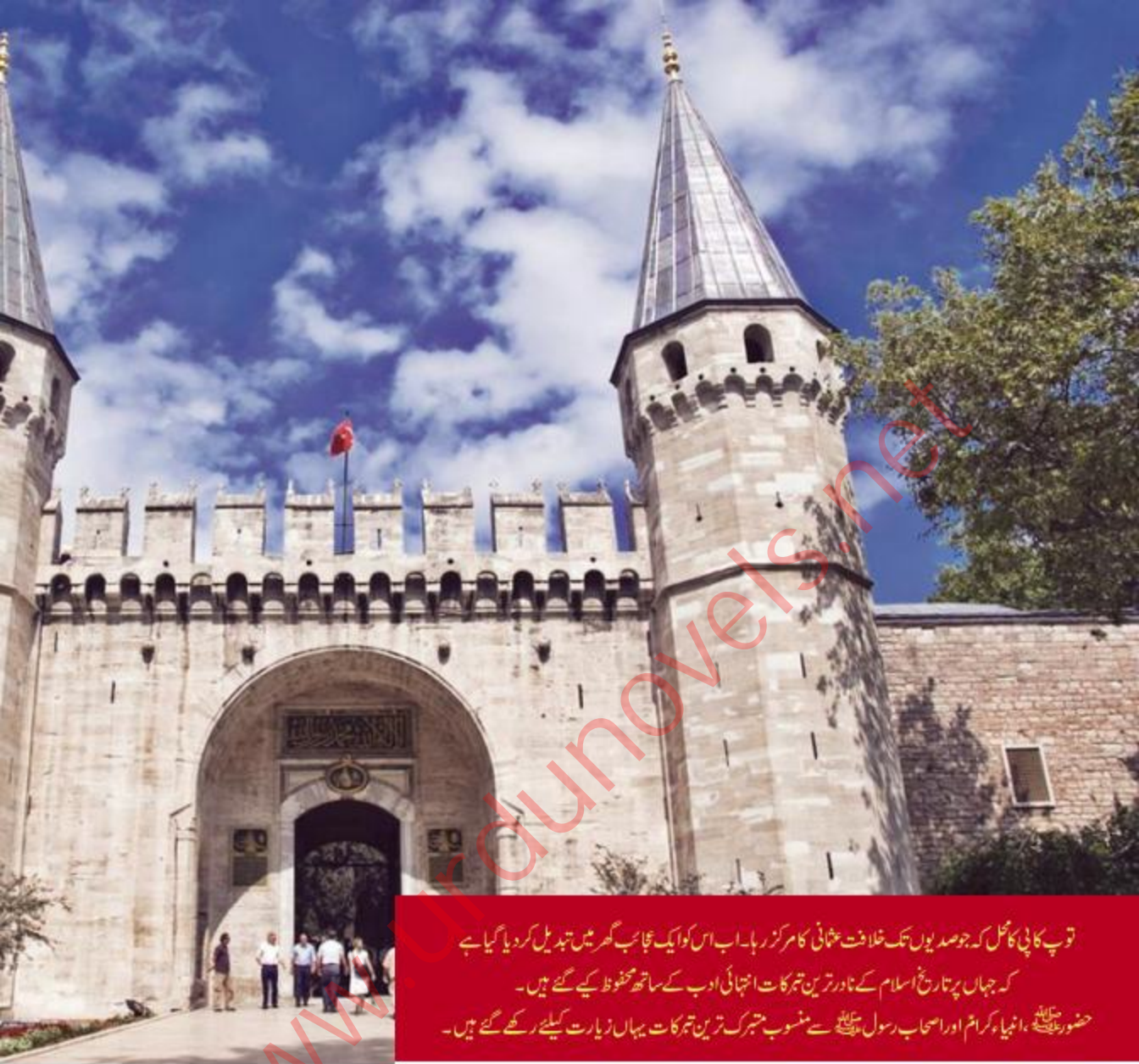
حضور ﷺ کا

حضور ﷺ کی تلوار

حضور ﷺ کی کمان

بی بی فاطمہؓ سے منسوب کرتا

داڑھی مبارک کا بال جو شیشے میں محفوظ کیا گیا ہے

تعمیر میں ترکوں نے اس بات کا خاص اہتمام کیا کہ حضورﷺ کے وقت کی تاریخ کو خصوصی طور پر محفوظ کیا جائے۔ پوری مسجد نبوی میں جا بجا آپ کو وہ تاریخ لکھی ہوئی ملتی ہے کہ جس کو ترکوں نے بڑی عرق ریزی سے محفوظ کیا ہے۔

....

سلطان محمد فاتحؒ کے ہاتھوں فتح کیا گیا استنبول کا شہر آج بھی اللہ کے فضل وکرم سے مسلمانوں کے پاس ہی ہے۔ پہلی جنگ عظیم میں اتحادی فوجوں نے قسطنطنیہ پر قبضہ کرنے کے لیے ایک بحری حملہ کیا تھا، لیکن جس طرح سلطان محمد فاتحؒ کی توپوں نے اُس وقت دشمنوں کو تباہ کر کے رکھ دیا تھا، اسی طرح پہلی جنگ عظیم میں ترک توپ خانے نے بھی فرانسیسی اور برطانوی بحری جہازوں کو غرق کر دیا۔ اپنی سرتوڑ کوششوں کے باوجود بھی عیسائی قوتیں استنبول کے شہر پر قبضہ نہ کر سکیں۔ استنبول کے اس دفاع میں حضورﷺ نے براہ راست روحانی طور پر ترک امیر البحر کی رہنمائی فرمائی۔ عیسائی قوتوں کے بحری بیڑے کے حملے سے ایک رات قبل ترک امیر البحر نے خواب میں حضورﷺ کی زیارت کی۔ حضورﷺ نے اس کو حکم دیا کہ استنبول کے دفاع کیلئے اہتمام کرے۔ امیر البحر نے خواب سے بیدار ہوتے ہی حضورﷺ کے اس حکم کی تعمیل کی اور آبنائے ڈارڈنلز میں بحری جہاز شکن بارودی سرنگیں بچھا دیں۔ عیسائی فوجوں کو یقین تھا کہ یہاں کوئی بارودی سرنگیں نہیں لگی ہوئیں اور وہ اپنا پورا بحری بیڑہ لیکر یہاں گھس آئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے کئی برطانوی اور فرانسیسی بحری جہاز ان بارودی سرنگوں سے ٹکرائے اور ترک توپ خانے کی گولہ باری سے غرق ہونے لگے۔ جنگ ختم ہونے کے بعد چرچل نے اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے بڑے دکھ سے یہ کہا تھا کہ جنگ کی تاریخ اس طرح تبدیل ہوئی کہ ایک ترک سپہ سالار نے جنگ سے ایک رات قبل سمندر میں ایک باریک سی زنجیر کے ساتھ چند بارودی سرنگیں بچھا دی تھیں! اس حیرت انگیز واقعے سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ قسطنطنیہ کا شہر کہ جو حضورﷺ کی بشارت کے تحت سلطان محمد فاتحؒ نے فتح کیا تھا، اسے آج بھی سیدی رسول اللہﷺ کی روحانی تائید حاصل ہے!

....

جس طرح تاریخ اسلام میں بغداد کی تباہی امت مسلمہ کے لیے سب سے بڑی ہزیمت اور بربادی تھی، اسی طرح قسطنطنیہ کی فتح امت مسلمہ کے لیے عروج پر لے جانے والا جلال و جمال کا زینہ تھا۔ اس کے بعد آنے والے عثمانی سلطانوں نے خلافت کو وسیع کرنے کا مشن جاری رکھا اور خلافت عثمانیہ دنیا کی عظیم ترین طاقت بن کر ابھری کہ جو روس کے جنوب سے لیکر جبل الطارق تک اور ویانا سے لے کریمن تک پھیلی ہوئی تھی۔ بعد میں آنے والے عظیم سلاطین تو ویانا کے دروازوں تک جا پہنچے تھے اور قریب تھا کہ ویانا کو بھی شکست ہو جاتی۔ لیکن یہ وہ آخری حد تھی کہ جہاں تک مسلمان یورپ میں داخل ہوئے۔ اسی طرح ترک بحری بیڑا بحیرہ روم (Mediterranean Sea) پر حکومت کرتا تھا اور عظیم ترین ترک امیر البحر خیر الدین باربروسا بھی اسی سلطنت نے پیدا کیے کہ
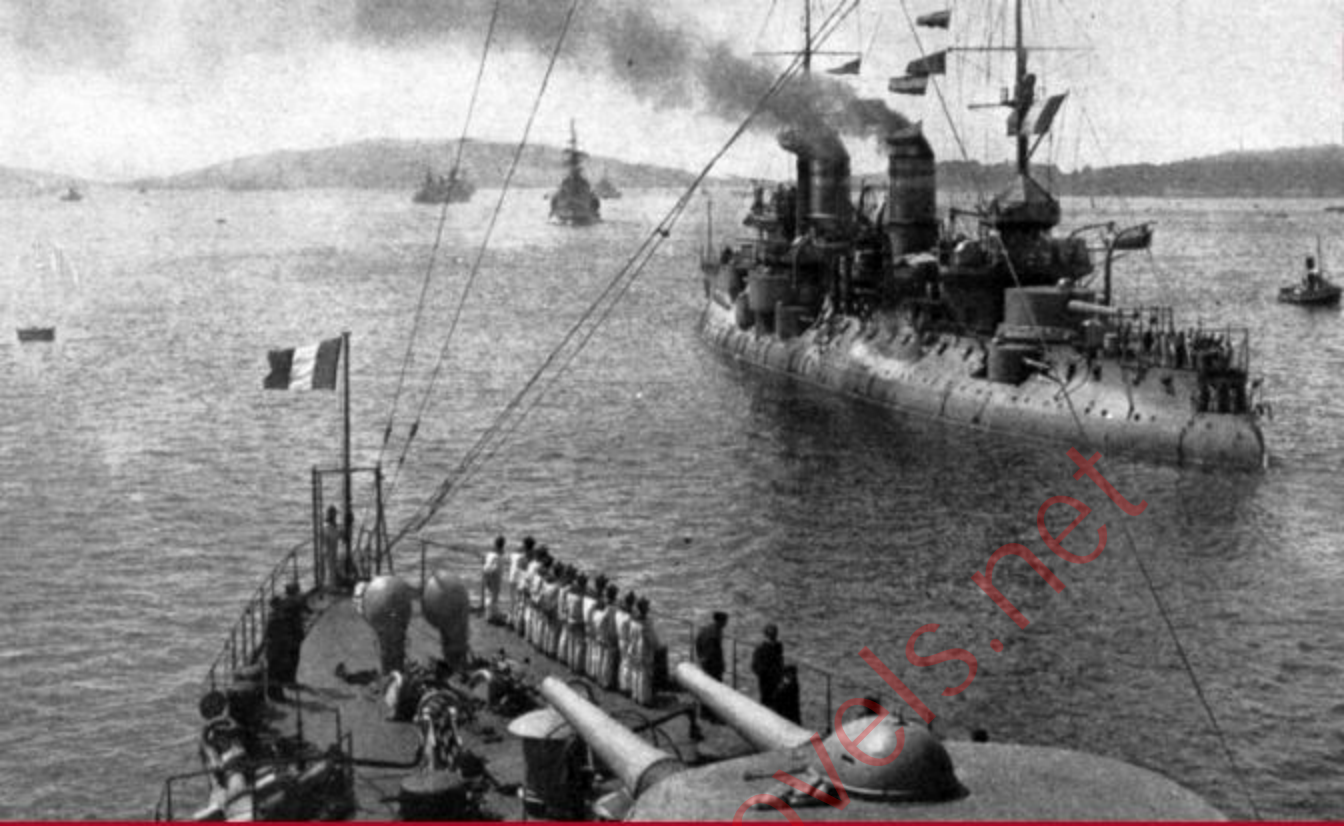
پہلی جنگ عظیم کے دوران فرانسیسی اور برطانوی بحری جہاز کہ جو استنبول پر قبضہ کرنے کیلئے حملہ آور ہوئے۔

حضورﷺ کی براہ راست روحانی تائید کی وجہ سے ترک بحریہ بروقت بارودی سرنگیں بچھانے میں کامیاب ہوئی اور ترک ساحلی توپ خانے نے شدید گولہ باری کر کے اتحادی بحری بیڑے کو شدید نقصان پہنچایا اور کئی جہازوں کو غرق کر دیا۔
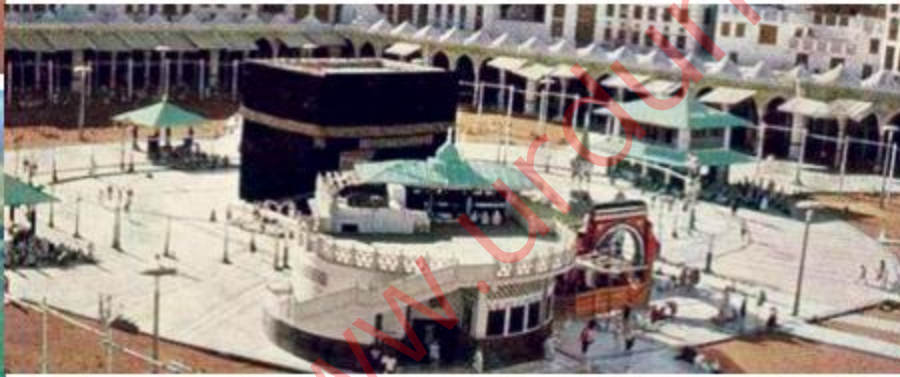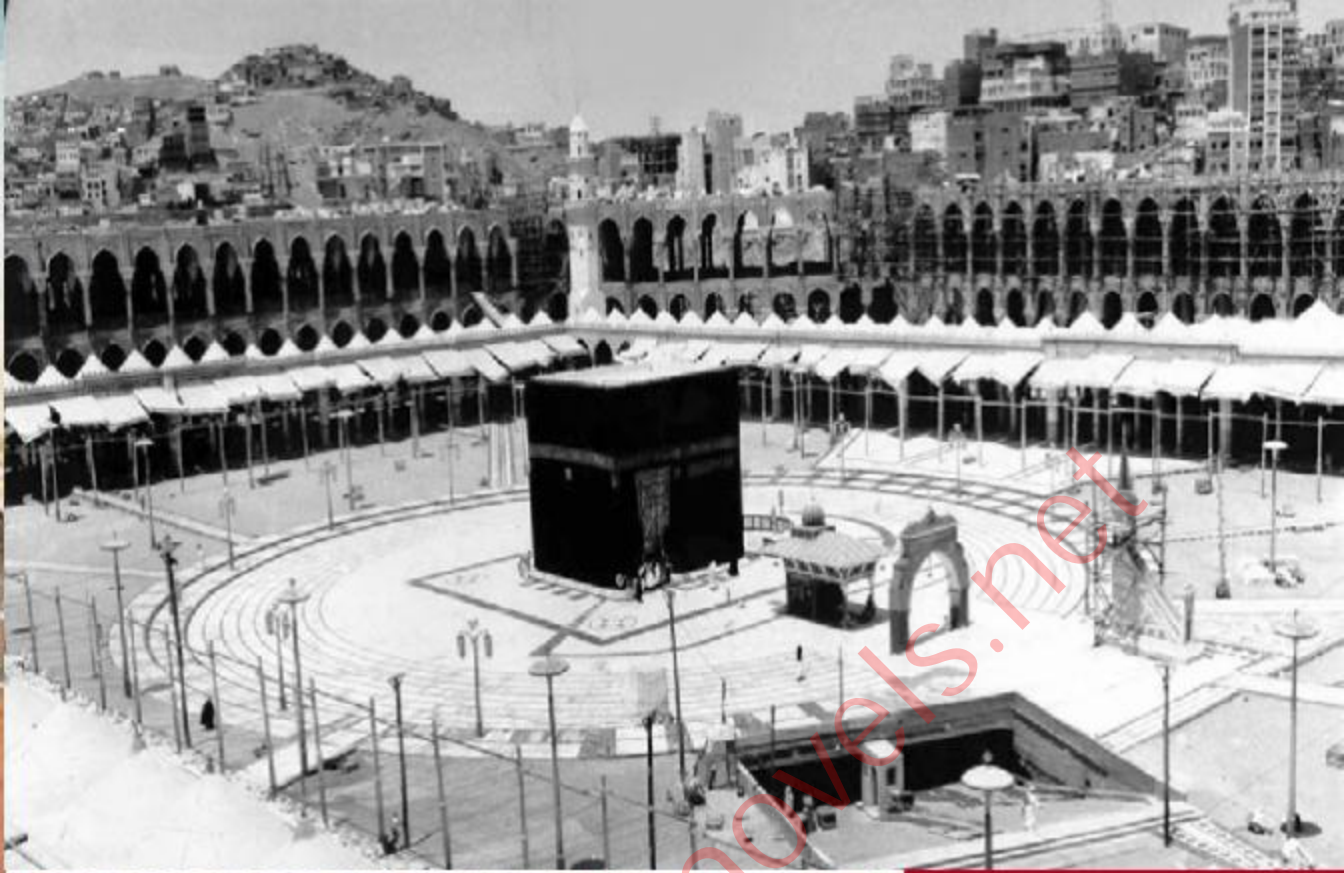
مکہ مکرمہ میں مسجد الحرام کہ
جس کی تعمیر ترک دور میں ہوئی

مدینہ منورہ میں ترکوں کی بنائی ہوئی مسجد کہ
جس کی شان وشوکت آج بھی قائم ہے۔
منبر رسول ﷺ بھی سلطان مراد کا بھیجا ہوا ہے۔
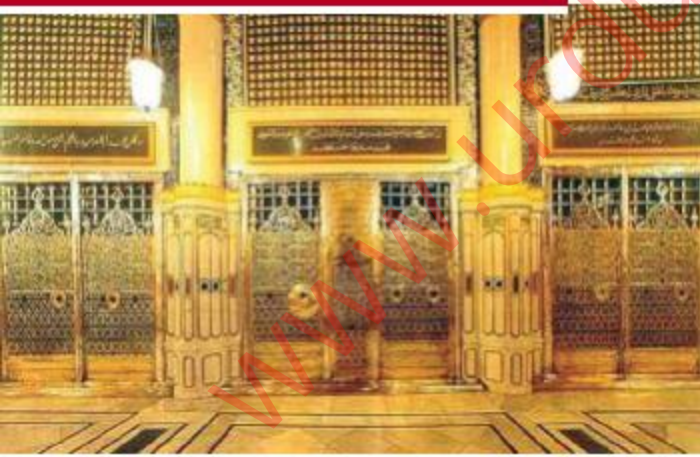
خلافت عثمانیہ کے عروج کے دور میں بحیرہ روم "مسلم لیک" یعنی مسلمان جھیل کہلاتا تھا کہ یہاں صرف ترک مسلمان بحری بیڑے کی حکمرانی تھی۔

جن کے نام کی دہشت سے عیسائی بحری بیڑے سمندر میں آنے سے کتراتے تھے۔ اسی دور میں بحیرہ روم کو "مسلمان جھیل" یعنی Muslim Lake کا خطاب بھی دیا گیا تھا۔

سولھویں صدی امت مسلمہ کی تین بڑی بڑی تہذیبوں کے عروج کا وقت تھا۔ اناطولیہ میں خلافت عثمانی، سلطان سلیمان عالیشان کی قیادت میں عروج پر تھی۔ ایران میں صفوی اپنی حکومت کو منظم کر رہے تھے اور ہندوستان میں بابر مغل حکومت کی بنیاد رکھ کر مغلیہ دور کا آغاز کر چکا تھا۔ قسطنطنیہ کی شکست نے یورپ کے ذہنوں کو بھی تبدیل کر دیا تھا۔ دنیا میں قسطنطنیہ کی شکست کے بعد جو تبدیلی آئی اس سے پوری دنیا کی تاریخ اور نقشہ ہی تبدیل ہو کر رہ گیا۔ قسطنطنیہ کے مسلمانوں کے پاس چلے جانے کی وجہ سے یورپ کیلئے خراسان، مشرقی یورپ اور وسطی ایشیاء کے تمام زمینی راستے بند ہو گئے تھے۔ اب یورپی بھی مجبور تھے کہ تجارت کے لیے چین کی طرف بحری راستے اختیار کریں۔ مجبوراً بڑے بڑے بحری بیڑے تیار کیے گئے کہ جو یورپ کے تاجروں اور فوجیوں کو لے کر پوری دنیا میں گئے۔ اسی وجہ سے پوری دنیا میں نوآبادیاتی نظام کا آغاز ہوا۔ یورپی افواج دنیا کے مختلف علاقوں کو فتح کرتی رہیں اور اس طرح انہوں نے اپنی نوآبادیات قائم کرنا شروع کر دیں۔

۱۴۹۲ء میں مسلم اسپین کو شکست ہوتی ہے۔ غرناطہ کی ریاست بالآخر مکمل طور پر عیسائیوں کے قبضے میں چلی جاتی ہے اور یورپ کے اس مغربی حصے سے مسلمانوں کے نام ونشان کو مٹانے کا آغاز انتہائی بے رحمانہ انداز میں کیا جاتا ہے۔ اگلے پچاس برس میں لاکھوں مسلمانوں کو انتہائی بے دردی سے یا تو ذبح کر دیا جاتا ہے یا زبردستی عیسائی بنا لیا جاتا ہے یا اسپین سے ملک بدر کر دیا جاتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ عیسائیوں کی طرف سے ''نئی دنیا'' کی تلاش کے لیے بحری بیڑے بھی بھیجے گئے۔ یہی وہ وقت تھا کہ جب امریکہ دریافت کیا گیا۔ کولمبس کو نئی دنیا دریافت کرنے کا مشن اسی بادشاہ فرڈینینڈ اور ملکہ ازابیلا نے دیا کہ جنھوں نے مسلمانوں کو اسپین سے نکالنے کا حکم دیا تھا۔

مگر اس وقت تک مسلمان مکمل طور پر قسطنطنیہ کو اپنی حکومت کا حصہ بنا چکے تھے۔ آل عثمان نے چھ سو سال بڑی شان سے حکومت کی، لیکن بیسویں صدی کے آغاز میں، پہلی جنگ عظیم کے بعد خلافت عثمانیہ کے حصے بخرے کر دیے گئے۔ انیسویں صدی سے ہی ترک خلافت میں کمزوری کے آثار نمایاں ہو چکے تھے۔ مغرب میں خلافت عثمانیہ کا نام ''یورپ کا مرد بیمار'' یعنی Sick Man of Europe رکھ دیا گیا تھا۔ ترکوں کے اندر ایسی تحریکیں پیدا ہو چکی تھیں کہ جو خود ہی خلافت کو ختم کرنے کے درپے تھیں۔ پہلی جنگ عظیم میں شکست کے بعد جہاں عیسائی طاقتوں نے خلافت عثمانیہ سے اپنا انتقام لیا وہیں داخلی غداروں نے بھی مسلمانوں کی پشت میں خنجر گھونپا۔

اسی سانحہ پر علامہ اقبالؒ نے بہت دکھ سے کہا تھا:

چاک کر دی ترکِ ناداں نے خلافت کی قباء

سادگی مسلم کی دیکھ، اوروں کی عیاری بھی دیکھ

THE CALIPH DEPOSED.

SCENE IN THRONE ROOM.

EXPULSION AT NIGHT.

(FROM OUR OWN CORRESPONDENT.)

CONSTANTINOPLE, MARCH 4.

The Caliph Abdul Mejid, his son Prince Omar Farukh Effendi, and the members of his immediate family were compelled to leave Constantinople during the night.

جنتی سلطان محمد فاتحؒ

۱۹۲۳ء میں خلافت عثمانیہ کی تباہی کے بعد آج امت مسلمہ بغیر خلافت اور بغیر مرکز کے ہے۔ امت مسلمہ کو قوموں اور ممالک میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ آج اکیسویں صدی میں مسلمان ممالک کو ایک اور صلیبی یلغار کا سامنا ہے، اور خلافت عثمانیہ سے نکالے ہوئے مسلمان ممالک کو مزید تقسیم کر کے چھوٹی چھوٹی تباہ شدہ ریاستوں میں بانٹا جا رہا ہے۔ مسلمان امت کے پاس نہ کوئی روحانی مرکز ہے، نہ سیاسی، نہ عسکری۔ پوری امت مسلمہ آج یتیم ہے۔ اس ساری تاریک صورتحال میں امت مسلمہ کی امیدوں کا واحد مرکز پاکستان کی اسلامی ریاست ہے کہ جو مدینہ اول کے بعد آج کے دور میں مسلمانوں کے لیے مدینہ ثانی کے طور پر حضور ﷺ کی روحانی قیادت میں وجود پذیر ہوئی ہے۔ فطرت کے تمام آثار اور نشانیاں یہ بتاتی ہیں کہ اب اللہ تعالیٰ نے امت کی قیادت کی ذمہ داری اسی مدینہ ثانی (پاکستان) کے مسلمانوں سے لینی ہے۔ علامہ اقبالؒ کی زبان سے اسی پاک ملت کیلئے یہ بشارت ہے کہ:

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا

لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

اور

عطا مومن کو پھر درگاہِ حق سے ہونے والا ہے

شکوہِ ترکمانی، ذہنِ ہندی، نطقِ اعرابی

اقبالؒ نے جس شکوہ ترکمانی کا ذکر کیا ہے اس نے صدیوں تک پوری دنیا میں پرچم اسلام کو بلند رکھا ہے۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد سے لیکر آج تک اسی غیرت مند ترک قوم کو سیکولر بنانے کی سرتوڑ کوشش کی گئی ہے مگر اس کی خمیر سے نہ تو عشق رسول ﷺ نکالا جا سکا ہے اور نہ ہی غیرت و شجاعت! ان شاء اللہ آنے والے دور میں بھی یہی ترک مجاہد ایک مرتبہ پھر امت مسلمہ کی تلوار بن کر مدینہ ثانی کے مسلمانوں کے ساتھ مل کر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کی بنیاد رکھیں گے۔

اللہ تعالیٰ سلطان فاتح پر اپنی لاتعداد رحمتیں نازل فرمائے۔ سیدی رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا:

''قسطنطنیہ لازماً فتح ہو جائے گا، اور کیا خوب وہ سلطان ہو گا اور کیا خوب وہ فوج ہو گی!''
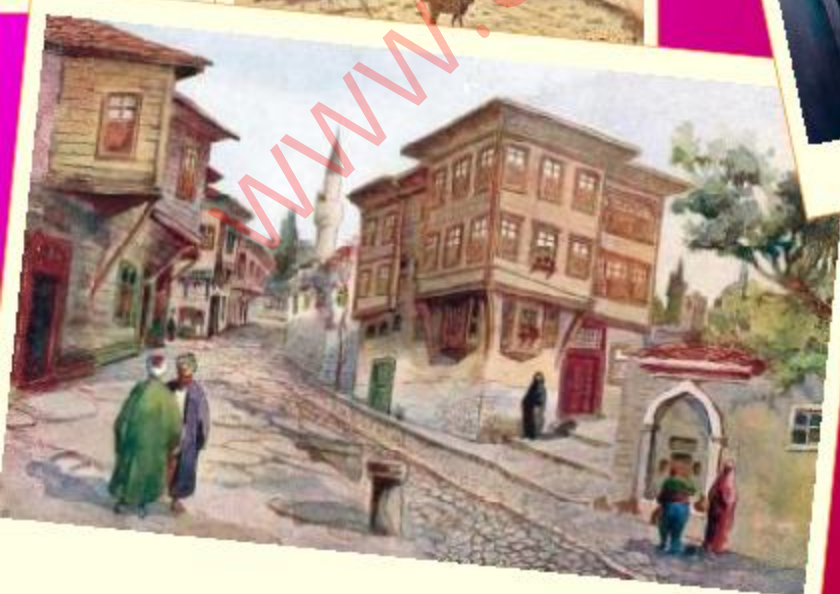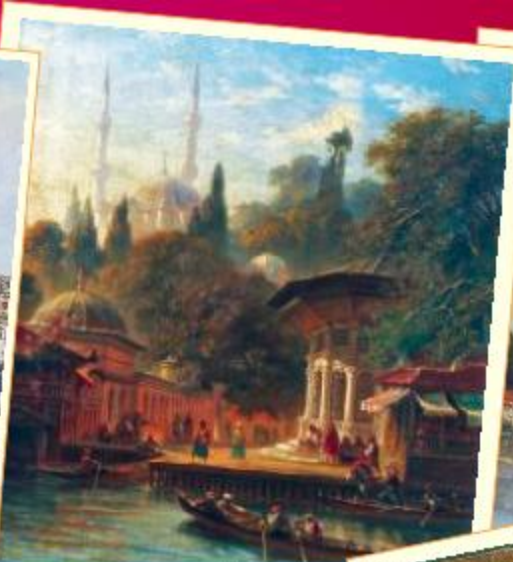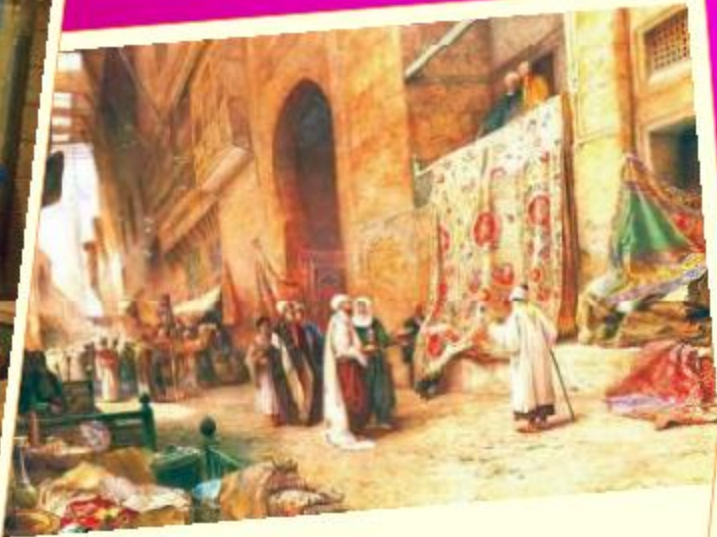
عظیم خلافت عثمانیہ کے دور کی تاریخی اور رومانوی تصاویر کہ جو اس شاندار معاشرے کی تہذیب و تمدن کی عکاس ہیں۔

HOŞGELDİN YA ŞEHRİ RAMAZAN

آج بھی ترک مسلمانوں نے اپنی تاریخی، مذہبی اور ثقافتی تہذیب اور میراث کو انتہائی ادب کے ساتھ سنبھال کر رکھا ہے۔
قسطنطنیہ، موجودہ استنبول، آج بھی اتنا ہی رومانوی ہے کہ جتنا صدیوں قبل تھا۔
تاریخ انسانی میں کوئی اور شہر اپنے وجود میں اتنی تہذیب وتمدن ورومانویت نہیں رکھتا کہ جتنا یہ حیرت انگیز شہر،
کہ جس کو فتح کرنے کی خواہش دنیا کی ہر تہذیب نے کی۔

مصنف جنتی سلطان فاتحؒ کے مقام پر